BEFORE YOU REGRET

توبہ کا دروازہ بند ہونے سے پہلے

مترجم

کچھ مصنف کے بارے میں

فاضل مصنف، جو ہارون یحییٰ کے قلمی نام سے لکھتے ہیں نے سیاسیات اور ایمانیات سے متعلق موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں۔ ان کے کام کا اہم حصہ مادی دنیا کے نظریات اور عالمی تاریخ اور سیاسیات پر اس کے مضر اثرات پر مبنی ہے، جس میں انہوں نے مادہ پرستوں کے معاندانہ طرزِ عمل اور مادی نظامِ حیات کے نقصانات کا جائزہ لیا ہے۔ مصنف کا قلمی نام "ہارون" اور "یحییٰ" ان دو جلیل القدر پیغمبروں کے اسمائے گرامی کی یاد دلاتا ہے جنہوں نے کفر و الحاد کے خلاف جہدِ مسلسل کی۔

فاضل مصنف کی کتابوں میں مندرجہ ذیل مطبوعات شامل ہیں:

۱۔ بوسنیا میں خفیہ ہاتھ (۲) عالمگیر بربادی کے پس پردہ مناظر (۳) اسرائیل کا کردی کارڈ (۴) ترکی کیلئے قومی حکمت علمی اور اس کا حل (۵) قرآنی اخلاقیات (۶) ترکوں کے خلاف ڈارون کی دشمنی (۷) ڈارون ازم، انسانیت کیلئے تباہ کاریوں کا پیغام (۸) فریب ارتقاء (۹) تباہ حال اقوام (۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام (۱۱) سنہری دور (۱۲) رنگوں میں اللہ کی کاریگری (۱۳) اس کی عظمت کی نشانیاں ہیں چہار سُو (۱۴) دنیاوی زندگی کی اصل حقیقت (۱۵) علمبرداران ارتقاء کے اعترافات (۱۶) ڈارون ازم کا کالا جادو (۱۷) مذہب ڈارونیت (۱۸) علمبرداران ارتقاء کی فاش غلطیاں حصہ اول و دوم (۱۹) سائنس بذریعہ قرآن (۲۰) زندگی کا حقیقی منبع (۲۱) خلیے کے اندر شعور (۲۲) تخلیق کائنات (۲۳) معجزاتِ قرآن (۲۴) فطرت کی صناعیاں (۲۵) جانوروں کے رویے میں

ذہانت اور ایثار ذات (۲۶) حیات بعد از ممات کا آغاز ہو چکا ہے (۲۷) ڈارون ازم کا خاتمہ (۲۸) تدبّر (۲۹) حقیقت تقدیر اور لازمانیت (۳۰) لاعلمی کو کبھی جواز نہ بنایئے (۳۱) ڈی این اے کے راز (۳۲) ایٹم کا معجزہ (۳۳) خلیے کے اندر معجزہ (۳۴) نظام مامونیت ایک معجزہ (۳۵) آنکھ ایک معجزہ (۳۶) پودوں کے اندر تخلیقی معجزہ (۳۷) مکڑی کے اندر نشانی (۳۸) چیونٹی ...... ایک نشانی (۳۹) مچھر...... ایک نشانی (۴۰) شہد کی مکھی ...... ایک نشانی (۴۱) بیج...... ایک نشانی (۴۲) دیمک ...... ایک نشانی (۴۳) وجود انسانی ...... ایک معجزہ (۴۴) تخلیق انسانی...... ایک معجزہ

فاضل مصنف کے کتابچوں میں مندرجہ ذیل شامل ہیں:

(۱) ایٹم کا راز (۲) نظریہ ارتقاء کی شکست وہزیمت (۳) حقیقت تخلیق (۴) مادیت کی شکست و ریخت (۵) مادیت کا خاتمہ (۶) علمبرداران ارتقاء کی فاش غلطیاں حصہ اول و حصہ دوم (۷) نظریہ ارتقاء کا مائیکرو بائیولاجیکل انہدام (۸) بیس سوالات میں نظریہ ارتقاء کی شکست و ہزیمت (۹) علم الحیات کی تاریخ میں ڈارون ازم ایک بہت بڑا فریب۔

فاضل مصنف نے قرآنی موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں، ان کے عنوانات درج ذیل ہیں:

(۱) کیا سچ پر کبھی غور کیا (۲) رجوع الی اللہ (۳) جاہلی معاشرہ سے دست کشی (۴) جنت (۵) نظریہ ارتقاء (۶) قرآن کی اخلاقی اقدار (۷) علم القرآن (۸) قرآن کا اشاریہ (۹) اللہ کی خاطر ہجرت (۱۰) قرآن کی روشنی میں منافق کا کردار (۱۱) منافقت کے اصل راز (۱۲) اسماء الحسنیٰ (۱۳) پیغام الٰہی اور قرآن پر اعتراضات (۱۴) قرآن کے بنیادی تصورات (۱۵) جوابات قرآنی (۱۶) موت حشر اور جہنم (انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد

(۱۸) انسان کا کھلا دشمن (۱۹) شیطان (۲۰) بت پرستی (۲۱) مذہب جاہلیت (۲۲) غرورِ شیطان (۲۳) قرآنی دعائیں (۲۴) قرآن میں شعور کی اہمیت (۲۵) یوم حشر (۲۶) مت بھولئے (۲۷) قرآنی فیصلے جونظر انداز کردیئے گئے (۲۸) جاہلی معاشرے میں انسانی کردار (۲۹) قرآن میں صبر کی اہمیت (۳۰) معلوماتِ قرآن (۳۱) ہمارے پیغمبروں کے ارشادات (۳۲) اہل ایمان کی رحمدلی کے واقعات (۳۳) خشیت الٰہی (۳۴) بے اعتقادی کا ڈراؤنا خواب (۳۵) پختہ ایمان (۳۶) ظہور مسیح (۳۷) حُسن زندگی قرآن کی روشنی میں (۳۸) جمالیات الٰہی کا مرقع (۳۹) ناانصافی جوتضحیک انسانیت ہے (۴۰) راز آزمائش وابتلا (۴۱) اصل حکمت ودانائی قرآن کی روشنی میں (۴۲) مذہب لامذہبیت کے خلاف معرکہ (۴۳) یوسف کا سکول (۴۴) نیکیوں کا مخالف (۴۵) تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کے خلاف بہتان تراشیاں (۴۶) راہ ہدایت کی اہمیت (۴۷) خود کو دھوکا کیوں دیتے ہو (۴۸) اسلام آسانیوں، جوش وجذبہ اور استقلال کا دین ہے، قرآن کی روشنی میں (۴۹) ہر چیز کے بارے میں خوش گمانی (۵۰) قرآن کی غیر دانشمندانہ تفسیر (۵۱) اسرارِ قرآنی (۵۲) اہلِ ایمان کی جرأت (۵۳) پُرامیدی قرآن کی روشنی میں۔

BEFORE YOU REGRET

اس نے کہا "میرے رب! میری مدد کر کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔" اس نے کہا "تھوڑا سا وقت اور، وہ ضرور پچھتا کے رہ جائیں گے۔" (سورۃ المؤمنون: ۴۰:۳۹)

مُصنّف

ہارون یحییٰ

مترجم

محمد اقبال صدیقی

نظرثانی

محمد یحییٰ

نام کتاب : توبہ کا دروازہ بند ہونے سے پہلے
تالیف : ہارون یحیٰ
ترجمہ : محمد اقبال صدیقی
زیر نگرانی : ایم۔ آر عتیق ایڈووکیٹ
نظر ثانی : محمد یحیٰ چوہدری
ناشر : العتیق پبلشرز۔ کینیڈا
طبع اول : جون 2003ء
پرنٹر : Exotic Printers

ISBN: 1-894264-41-X

Published by:
Al-Attique Publishers Inc. Canada
65-Treverton Dr. Scarborough ON M1K 3S5
Tel: (416) 615-1222 Fax: (416) 615-0375
E-mail: al-attique@al-attique.com & quran@istar.ca
Website: www.alattique.com

Al-Attique Publishers
Ismail Centre, 110-Chatterjee Road,
Urdu Bazar, Lahore-Pakistan.
Tel/Fax: 9242-791-1678
E-mail: chyahya@hotmail.com

Distributed in Saudi Arabia
Dar Al-Hadyan Publishers & Distributors
P.O. Box : 15031, Al-Riyadh 11444
Tel/Fax : 966-1-463-1685

قارئین سے گذارش
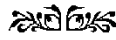
اس کتاب میں ہم نے ''نظریۂ ارتقاء کی شکست و ہزیمت'' کیلئے ایک خاص باب کیوں سپردِ قلم کیا ہے' اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اس دنیا میں جتنے روحانیت کُش فلسفوں نے جنم لیا ہے' یہ نظریہ ان کی اساس ہے۔ چونکہ ڈارون کا نظریہ حقیقتِ تخلیق کو رد کرتا ہے اور اس بنا پر وجود باری تعالیٰ سے انکاری ہے' اس لئے گزشتہ ۱۴۰ سالوں کے دوران بہت سے لوگ اسی فلسفے کے زیرِ اثر ایمان سے برگشتہ ہو گئے یا کم از کم شکوک وشبہات کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ اس پُر فریب نظریے کو بے نقاب کرنا' ہماری اہم ذمہ داری بنتی ہے کیونکہ اس کا دین کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ممکن ہے کہ ہمارے کسی قاری کو ہماری کتب میں سے کسی ایک کو ہی پڑھنے کا اتفاق ہو' اس لئے ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موضوع کا خلاصہ ایک الگ باب کی صورت میں پیش کر دیا جائے۔

فاضل مصنف نے اپنی تمام کتابوں میں ایمان وعقیدہ سے متعلق تمام مسائل پر آیاتِ قرآنی کی روشنی میں تشریح وتوضیح کی ہے اور لوگوں کو اللہ کا کلام پڑھنے' سمجھنے اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر زندگی بسر کرنے کی دعوت دی ہے۔ آیاتِ قرآنی کی تشریح و توضیح اس انداز سے کی گئی ہے کہ قاری کے ذہن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے یا اس کے ذہن میں کوئی سوال اُبھرنے نہ پائے۔ اندازِ بیان ایسا سادہ' راست اور فصیح ہے کہ ہر عمر کا آدمی خواہ وہ کوئی بھی سماجی پس منظر رکھتا ہو با آسانی استفادہ کر سکتا ہے۔ ان کتابوں کے مؤثر اور دلنشین اندازِ بیان کی وجہ سے ایک ہی نشست میں پوری کتاب پڑھی جا سکتی ہے۔ حتیٰ کہ روحانیت کے سخت مخالفین بھی ان کتابوں میں بیان کردہ حقائق سے متاثر

ہوئے بغیر نہیں رہتے اور ان کے مندرجات کی حقانیت کو نہیں جھٹلا سکتے۔

فاضل مصنف کی یہ کتاب اس کی دیگر کتابوں کی طرح فرداً فرداً یا پھر گروہ کی صورت میں بھی پڑھی جا سکتی ہے جس میں شامل افراد دوران گفتگو تبادلہ خیالات کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں وہ قارئین جو ان کتابوں سے متمتع ہونے کے خواہشمند ہوں اس مباحثہ کو اس لحاظ سے انتہائی سودمند پائیں گے کہ وہ اس کے ذریعے اپنی آرا اور تجربات ایک دوسرے کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

مزید برآں ان کتابوں کو مطالعہ کیلئے دوسرے لوگوں کو پیش کرنا' دین کی بہت بڑی خدمت ہوگی کیونکہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر لکھی گئی ہیں۔ فاضل مصنف کی تمام کتابیں انتہائی دلنشین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرات جو دوسرے لوگوں تک مذہب کا پیغام پہنچانا چاہتے ہوں ان کیلئے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ وہ ان کتابوں کے پڑھنے کی ترغیب دلائیں اور ہر ممکن طریقے سے ان کی حوصلہ افزائی کریں۔

امیدِ واثق ہے کہ قارئین کرام مصنف کی دیگر کتب کے مطالعہ کیلئے بھی وقت نکال پائیں گے اور ایمان وعقیدہ پر مبنی بیش بہا مواد سے کماحقہ استفادہ فرمائیں گے۔

ان کتابوں میں قارئین کو' بعض دوسری کتابوں کی طرح مصنف کے ذاتی خیالات سے سابقہ نہیں پڑے گا اور نہ ہی مبہم طرزِ تحریر اور غیر معتبر ذرائع پر مبنی وضاحتوں اور ان مقدس موضوعات کے احترام وعقیدت کے تقاضے سے عاری اسلوبوں سے دوچار ہونا پڑے گا جو ناامیدی اور شکوک وشبہات کی فضا پیدا کر کے اور قاری کو قنوطیت میں مبتلا کر کے انحراف اور گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیتے ہیں۔

فہرست

کچھ مصنف کے بارے میں	2
قارئین سے گذارش	7
عرض مترجم	10
تعارف	13
پشیمانی جو کہ انسان اس دنیا میں محسوس کرتا ہے	17
کفار کیلئے دائمی پشیمانی کی ابتدا: موت	34
قیامت کے دن احساس پشیمانی	46
دوزخ میں پشیمانی کی کیفیت	58
آخرت میں احساس ندامت سے بچاؤ کس طرح ممکن ہے	86
ڈارون کے نظریۂ ارتقا کی شکست و ہزیمت	90

عرضِ مترجم

فاضل مصنف ہارون یحییٰ ترکی میں پیدا ہوئے جہاں مصطفےٰ کمال پاشا کے دورِ اقتدار میں لادینیت کو بے انتہا فروغ حاصل ہوا۔ مغربیت کے زیرِ اثر خلافِ شرع ایسے ملکی قوانین وضع اور نافذ کیے گئے جو کہ اسلامی شعائر سے متصادم تھے۔ یہاں تک کہ عربی زبان میں اذان دینے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ مغرب کی مادی تہذیب کے دلدادہ اس مطلق العنان حکمران کو مادی نقطۂ نظر کے علاوہ کوئی دوسرا نقطۂ نظر گوارا نہ تھا۔ چنانچہ دینی حمیت رکھنے والی شخصیات کو مختلف قسم کی تعزیری کارروائیوں اور تشدّد کا نشانہ بننا پڑا۔

ایسے مغرب زدہ اور مادہ پرست ملک میں تجدید دین کیلئے جہاں بعض دینی جماعتیں اور تنظیمیں سرگرم عمل ہیں وہاں اہلِ قلم اپنی تحریروں کے ذریعے جہاد کر رہے ہیں۔ انہی اہل قلم میں سے ایک ممتاز مذہبی سکالر جناب ہارون یحییٰ ہیں جو اس کتاب کے فاضل مصنف ہیں۔ آپ نے اسلام کے حوالے سے مختلف سائنسی موضوعات پر درجنوں ایسی کتابیں سپردِ قلم کی ہیں جن میں مادی افکار و نظریات پر براہ راست کاری ضربیں لگائی گئی ہیں اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے والے لادین عناصر کا محاسبہ کیا گیا ہے۔ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء پر اُن کی گرفت خاصی مضبوط ہے۔ فاضل مصنف نے اس خام نظریۂ کے حامی مادہ پرستوں کے مذموم عزائم کو بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کا نفسِ مضمون توبہ سے متعلق ہے۔ انسان کو اس دنیا میں ملنے والی چندروزہ عارضی زندگی اور موقع کو غنیمت جان کر حتی الوسع کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ گناہوں سے باز رہے۔ اگر بھول چُوک اور بتقاضۂ بشریت اس سے سہواً کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو

فوراً نادم ہوکر اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو۔ مگر یہ ذہن میں رہے کہ توبہ اُن لوگوں کیلئے نہیں ہے جو بُرے کام کیے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ عالم نزع کا وقت آ پہنچتا ہے۔ اُس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ ○

اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔ (سورہ النساء : ۱۸)

اسی طرح حدیث شریف میں بھی یوں بیان ہوا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ عالم نزع طاری ہونے سے پہلے قبول کر لیتا ہے۔ (ترمذی)

اس فرمان الٰہی اور حدیث نبوی کی روشنی میں صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے سارے گناہ مٹا دیئے جائیں تاکہ یوم حساب اسے شرمندگی سے دوچار ہونا پڑے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں ملنے والے موقع کو مزید ضائع کیے بغیر اپنے ہر گناہ کی صدقِ دل سے توبہ کرے اور اب تک اس سے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں ان پر نادم ہوکر فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے کیونکہ بوقت نزع وہ اس رعایت سے محروم ہو جائے گا۔ پھر اُسے دنیا میں دوبارہ آنے کا کوئی موقع نہیں ملے گا کہ وہ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا ازالہ کر سکے۔

فاضل مصنف کی کتابوں کا دنیا کی تقریباً ہر قابلِ ذکر زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے جو دنیا کے کونے کونے میں تشنگانِ علم کی علمی پیاس بجھا رہی ہیں اور اس طرح اسلام کے فکری

انقلاب کو برپا کرنے میں مدو معاون ثابت ہو رہی ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر فاضل مصنف کی ایک انگریزی کتاب بعنوان "BEFORE YOU REGRET" کا اُردو ترجمہ پیش خدمت ہے تا کہ اُردو دان طبقہ اس سے استفادہ کر سکے۔

میں جناب محمد یحیٰی چوہدری کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی خوبصورت طباعت اور اشاعت کا اہتمام کیا۔ جناب میاں غلام علی بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے نہایت تندہی' ذمہ داری اور انہماک سے اس کتاب کی کمپوزنگ کا فریضہ سرانجام دیا اور اس کتاب کی تیاری کے ہر مرحلے پر میرے ساتھ مؤثر تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان ہر دو اصحاب کو اس نیک کام کی جزائے خیر دے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں کہ وہ ہمیں گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

عفوو مغفرت کا طالب

محمد اقبال صدیقی

ایڈووکیٹ لاہور ہائی کورٹ۔ لاہور

فون: 0300-9419165

۱۱ اپریل ۲۰۰۳ء

تعارف
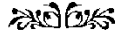
اس امر میں مشیت الٰہی کارفرما ہے کہ ہر انسان کو اس دنیا میں کبھی کبھی مختلف جسمانی اور روحانی مصائب اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے کچھ احساسات اتنے شدید ہوتے ہیں کہ ان کا کسی اور جسمانی دکھ سے کسی طور موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ احساس جو کہ انسانی روح کی شدید اذیت کا باعث بنتا ہے ایک ایسا احساس ہے جس کو ہم تاسف کا نام دے سکتے ہیں۔

تاہم اظہار تاسف اور ندامت کی دو بالکل مختلف اور جداگانہ صورتیں ہیں' ایک تو اہل ایمان کا احساس ندامت ہے اور دوسرا ایمان سے عاری لوگوں کا اظہار تاسف ہے۔

مومنین وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ اس حقیقت پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ اسباب و علل مشیت ایزدی سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اور جو کچھ ان کی زندگی میں وقوع پذیر ہوتا ہے وہ ذاتِ باری تعالیٰ کی منشا اور اِذن سے ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ اچھے اور بُرے حالات یا بھول چُوک کی صورت میں ان کے اللہ تعالیٰ پر محکم اور غیر متزلزل ایمان کی اہم اور منفرد صفت کو عیاں کرتا ہے۔ غلطی سرزد ہونے پر ایک مومن فوری طور پر صدقِ دل اور پورے اخلاص کے ساتھ توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ نتیجتاً وہ طویل اور تکلیف دہ احساس ندامت کے عذاب سے بچ جاتا ہے۔ مومنین کا احساس تاسف ان کو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ وہ توبہ کے طلبگار ہو کر تزکیہ باطن کریں اور آئندہ ایسی غلطی دہرانے سے اجتناب کریں۔ یہ رویّہ غلطیوں کی اصلاح میں مدومعاون ثابت ہوتا ہے۔ یہ چیز ان کو تکلیف دہ یاسیت سے بچاتی ہے۔ مزید برآں احساس ندامت اور توبہ ان کے مذہبی جوش و

جذبہ اور عبادت و ریاضت میں کسی قسم کی کمی نہیں آنے دیتا اور نہ ہی ان کو پژمردگی اور اندیشوں کے وسیع چکروں میں دھکیلتا ہے۔

دوسری طرف کفار کا اظہارِ تاسف انتہائی تکلیف دہ اور مستقل نوعیت کا ہوتا ہے کیونکہ وہ مشکل حالات اور گناہ سرزد ہو جانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کرتے۔ وہ اپنی ساری زندگی ان جملوں کا اعادہ کرتے رہتے ہیں کہ ''کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا'' یا ''کاش میں نے ایسا نہ کہا ہوتا'' وغیرہ وغیرہ۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں سب سے زیادہ پچھتاوا ہوگا۔ وہ لوگ جو اس دنیا میں دین سے عاری زندگی بسر کرتے ہیں ان کو اپنی زندگی میں ہر لمحہ پچھتانا پڑتا ہے۔ ان کو اس دنیا میں بارہا تنبیہ کی جاتی ہے اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ ان کے پاس غور و فکر کیلئے کافی وقت ہوتا ہے تاکہ سیدھا راستہ اپنا سکیں۔ تاہم جب انہیں خبردار کیا جاتا ہے تو وہ اس تنبیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے آخرت کو یکسر بھول جاتے ہیں جیسا کہ وہ موت سے کبھی دوچار نہیں ہوں گے۔ پھر آخرت میں ان کو کوئی موقع نہیں ملے گا کہ وہ اس دنیا میں دوبارہ واپس آسکیں اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کر سکیں۔

قرآن پاک میں ان کے اس متاسفانہ لہجہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

إِنَّا أَنذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا ﴿٤٠﴾

ہم نے خبر سنا دی تم کو ایک آفت نزدیک آنیوالی کی جس دن دیکھ لے گا آدمی جو آگے بھیجا اس کے ہاتھوں نے اور کہے گا کافر کسی طرح میں مٹی ہوتا۔ (سورہ النباء : ۴۰)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾

اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ کھڑے کیے جائیں گے وہ دوزخ پر، پس کہیں گے اے کاش ہم پھر بھیج دیے جائیں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور ہو جائیں ہم ایمان والوں میں (سورہ الانعام: ۲۷)

وہ کہیں گے:

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝

اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سنتے اور سمجھتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں۔ (سورہ الملک : ۱۰)

اس کتاب کا مقصد لوگوں کو روز آخرت سے خبردار کرنا ہے جب وہ یہ کہتے ہوئے اظہار تاسف کریں گے: ''کاش ہم نے صرف یہ جان لیا ہوتا......'' ''کاش ہم نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (آیات) کو نہ جھٹلایا ہوتا......'' ''کاش ہم نے ان کی پیروی کی ہوتی جو ہمارے پاس (اللہ تعالیٰ کا) پیغام لائے......'' ''کاش ہم نے یہ اور وہ کیا ہوتا......'' وغیرہ وغیرہ۔ مقصود لوگوں کو یہ دعوت دینا بھی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی زندگی بسر کریں جب کہ ان کے پاس اپنی بداعمالیوں کی اصلاح کیلئے ابھی کافی موقع ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ اُس دن کسی کی پشیمانی اس کو قہر خداوندی سے نہیں بچا پائے گی۔ اس ندامت سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ انسان موقع غنیمت جان کر اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار اور فرمانبردار بندہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل اپنا مقصد حیات بنا لے۔

اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی دعوت دی گئی ہے اور روز آخرت جو کہ ایک اٹل حقیقت ہے میں ملنے والی سزا کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔ اُس دن نہ تو چھپنے کیلئے کوئی جگہ ملے گی اور نہ ہی نجات اور چھٹکارا کا کوئی موقع میسر آئے گا:

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝

مانو اپنے رب کا حکم اس سے پہلے کے آئے وہ دن جس کو پھرنا نہیں اللہ کے یہاں سے، نہیں ملے گا تم کو بچاؤ اُس دن اور نہ ہی ملے گا الوپ ہو جانا (یعنی مُکر جانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا) (سورہ الشوریٰ : ۴۷)

پشیمانی جو کہ انسان اس دنیا میں محسوس کرتا ہے
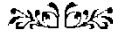
وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿٥٥﴾

اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور (اسلام قبول کرنے میں) اس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب (الٰہی) واقع ہونے لگے (اور) پھر اُس وقت کسی کی طرف سے تمہاری مدد نہ کی جائے اور تم (کو چاہیئے کہ) اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو اس کا خیال بھی نہ ہو۔ (سورہ الزمر: ۵۴-۵۵)

جب انسان کو فنا کا خطرہ لاحق ہو تو اس کا ''ضمیر'' فوری طور پر اپنی زندگی کا محاسبہ شروع کر دیتا ہے اور اپنی زندگی اور اعمال کا جائزہ لیتا ہے۔ اگر یہ شخص اللہ کے دین کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتا اور اعمال صالح کو نہیں اپناتا تو ملال اور تاسف اس پر غالب آجاتے ہیں۔ بہت سی ایسی چیزیں جن کو وہ اپنی ساری زندگی نظر انداز کر دیتا ہے اچانک واضح صورت میں اس کی آنکھوں کے سامنے عیاں ہو جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس کو احساس ہوتا ہو کہ موت کتنی قریب ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ اس نے دنیاوی زندگی اس طور نہیں گزاری جو کہ اس کو جنت کا مستحق بنا سکے۔ وہ اس بات کو جان لیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ناشکر گزار بندہ رہا ہے اور یہ کہ اُس کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ ایک

بھیانک خوف جس سے وہ پہلے کبھی دوچار نہیں ہوا تھا اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اسے ایسی صورت حال سے بچا سکتا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ شکر گزار، نیکوکار اور ایسی صورت حال کو یاد رکھے گا۔ وہ سنجیدگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر یہ التجا کرتا ہے کہ وہ اپنی رحمت سے اسے اس خطرہ سے جس سے وہ دوچار ہے نجات دلائے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حفاظت اور زندہ رہنے کا ایک اور موقع فراہم کرنے کی درخواست کرتا ہے۔

تاہم فنا پذیری کے اس خطرہ کے ٹل جانے کے بعد بھی اکثر لوگ اپنے قول کے پکے اور وعدوں کے سچے ثابت نہیں ہوتے جو کہ انہوں نے اپنے اللہ سے کئے ہوتے ہیں۔ جونہی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بچا لیتا ہے تو وہ اپنے سابق طور طریقوں کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ احساسات ندامت اور تسلیم و رضا کی جگہ احساساتِ ناشکر گزاری لے لیتے ہیں۔ وہ اس امر کو یکسر بھول جاتا ہے کہ اس نے اس لمحے کیا محسوس کیا تھا جب کہ اس کو موت کا سامنا تھا۔ فنا کے خطرہ پر قابو پانے کے پھسلاوے کے ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ سے رُوگردانی کرتا ہے جیسا کہ وہ ایسا شخص ہے جس نے تاسف کا اظہار نہ کیا ہو اور سنجیدگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے نہ گڑگڑایا ہو۔ وہ اپنی زندگی کی اسی روش پر چل پڑتا ہے جس میں دنیا سے وابستگی پہلے سے بھی زیادہ ہو جیسا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے غیر محفوظ صورت حال سے دوچار نہ ہوا ہو۔ قرآن پاک میں متعدد مثالیں ایسے لوگوں کی نفسیاتی کیفیت کو ظاہر کرتی ہیں:

هُوَ الَّذِي يُسَيِّ[illegible] فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا [illegible]
الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ [illegible] بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَ[illegible]
عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ [illegible] مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ [illegible]
دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِ[illegible] الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰ[illegible]
مِنَ الشَّاكِرِينَ [illegible] إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ [illegible]
يَا أَيُّهَا النَّاسُ [illegible] عَلَىٰ أَنفُسِكُم مَّتَاعَ الْحَيَاةِ [illegible]

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

وہی ہے جو تمہیں خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب (بعض اوقات) تم کشتی میں (سوار) ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان (کی رفتار) سے خوش ہوتے ہیں (اس حالت میں دفعتہً) ان پر ایک جھونکا (مخالف) ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف ان پر موجیں اُٹھی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (بُرے) آ گھرے (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (کہ اے اللہ) اگر آپ ہم کو اس (مصیبت) سے بچالیں تو ہم ضرور حق شناس (موحد) بن جائیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو (اس مہلکہ سے) بچالیتا ہے تو فوراً ہی وہ (اطراف واقطار) زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو (سن لو) یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال (جان) ہونے والی ہے (بس) دنیوی زندگی میں (چندے اس سے) حظ اٹھا رہے ہو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے۔ پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو جتلا دینگے (اور اس کی سزا دیں گے)۔ (سورہ یونس:۲۲۔۲۳)

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾

اور جب تم کو دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بجز خدا کے اور جتنوں کی تم عبادت کرتے تھے سب غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر جب تم کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو پھر تم پھر جاتے ہو اور واقعی انسان ہے بڑا

ناشکرا۔ تو کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے ہو کہ تم کو خشکی کی جانب میں لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی ایسی تند ہوا بھیج دے جو کنکر پتھر برسانے لگے۔ پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ۔

(سورہ بنی اسرائیل: ۶۷۔۶۸)

جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں زور دے کر بیان کیا گیا ہے کون شخص یہ یقین کے ساتھ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ اس سے ملتے جلتے یا مکمل طور پر مختلف خطرہ سے دوبارہ دوچار نہیں ہوگا۔ بالالفاظ دیگر کس طرح کسی شخص کو یہ یقین ہو سکتا ہے کہ وہ دوسری مرتبہ بھی اسی طرح اس خطرہ سے نجات حاصل کر لے گا۔ بلاشبہ کوئی بھی یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ ایسی صورت حال دوبارہ وقوع پذیر نہیں ہوگی۔ یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ خطرے سے نجات پا لینے سے کسی کی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب انسان اپنے مقدر میں لکھے وقت اور لمحات کو گزار لیتا ہے تو بالآخر اُسے ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا پڑتا ہے پھر اس لمحے اُس کو پچھتانا پڑے گا مگر اس وقت اظہار ندامت سے اُسے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

یہ اُن لوگوں کی عام ذہنی اور نفسیاتی کیفیت ہے جو دین سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی صورت حال کو اس طرح بیان کرتا ہے:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی۔ پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی پہلی حالت پر آ جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کیلئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ ان حد سے نکلنے

والوں کے اعمال (بد) ان کو اسی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں جس طرح ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔ (سورہ یونس:۱۲)

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾

جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اپنے رب کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے تو بس ان میں سے بعضے لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ (سورہ الروم:۳۳)

ان آیات میں اُن لوگوں کی تصویر کشی کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اُس وقت کرتے ہیں جب کہ وہ کسی مشکل سے دوچار ہوں۔ تاہم جونہی وہ اس مشکل سے باہر نکل آتے ہیں تو وہ اُن تمام وعدوں کو یکسر بھول جاتے ہیں جو کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوتے ہیں اور اس طرح اپنی ناشکر گزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ ان کا پچھتاوا حقیقت میں اس بے بسی کی وجہ سے تھا جو کوئی مشکل حالت میں محسوس کرتا ہے۔

تاہم اہل ایمان کا مخصوص پچھتاوا اس پچھتاوے سے مختلف ہوتا ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ انسان کو انتہائی فائدہ پہنچاتا ہے۔ سچا پچھتاوا فوری طور پر نہیں بھلایا جاتا۔ یہ انسان کو مدد دیتا ہے اور حتیٰ کہ اس کے کردار میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کرتا ہے۔ جو شخص اپنے دل میں خلوص نیت سے ندامت محسوس کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ باقی ماندہ زندگی اللہ کی رضا جوئی میں گزار دیتا ہے اور اس کے رحم اور بخشش کا امیدوار ہوتا ہے۔ جب حالات میں تبدیلی آتی ہے یا اسے نیا موقع فراہم کیا جاتا ہے تو وہ اپنی زندگی کے سابق طور طریقوں کی طرف پلٹنے کی کبھی جرأت نہیں کرتا کیونکہ وہ اس بات سے اچھی

طرح آگاہ ہوتا ہے کہ ایسی ناشکر گزاری کا مطلب اپنا نقصان کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں جہاز پر سوار موت سے دوچار لوگوں کی ذہنی ونفسیاتی کیفیت بیان کرتا ہے تاکہ وہ دوسرے تمام لوگوں کو خبردار کرے۔ اس لئے کہ یہ رجحان ہر شعوری ذات کی انا میں پایا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں بیان کی گئی مثال سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو سنجیدگی سے اپنی زندگی کے اس منفی پہلو سے احتراز کرنا چاہیئے اور اپنے ضمیر کا مخلصانہ محاسبہ کرنا چاہیئے۔ پھر اس کو اپنے آپ سے یہ سوالات پوچھنا چاہیئے:

''میں کس قسم کی ذہنی ونفسیاتی کیفیت میں مبتلا ہوں، کیا میں اسی قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں؟ مجھے کونسی چیز پچھتاوے پر مجبور کرتی ہے؟ میں اپنے کردار میں کونسی بنیادی تبدیلیاں لانے کا اپنے آپ سے وعدہ کرتا ہوں بشرطیکہ میں خطرہ سے بچ جاؤں؟ کون سے اعمال میں ترک کردوں گا اور کون سے فیصلوں پر میں خلوص نیت سے عمل پیرا ہوں گا۔''

ان پر غور کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا جبکہ انسان فی الواقعہ خطرہ سے دوچار ہو ضروری نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا شخص جو اس کو خارج از امکان خیال کرتا ہو جلد ہی ایسے تجربے سے دوچار ہو جائے یا اس کو اپنی ساری زندگی ایسے خطرے کا سامنا نہ ہو۔ تاہم دونوں صورتوں میں ایک بات طے شدہ ہے: جب انسان کے مقدر میں لکھا موت کا لمحہ آتا ہے تو وہ فوراً موت کے فرشتوں کو اپنے اردگرد پائے گا۔ اسی لمحے موت کی حقیقت کو پوری طرح تسلیم کرلے گا۔ اگر وہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق زندگی بسر کرنے میں ناکام رہا تو واضح طور پر اس کے کچھ اعمال ایسے ہوں گے جن پر اسے پچھتانا پڑے گا۔

اس دنیا میں اور روز آخرت میں تاسف سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ کردہ فرائض کا لحاظ کرے اور قرآن مجید میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرے۔ موت انسان کے اتنے قریب ہے کہ اُس کو ان اعمال کی بجا آوری میں تاخیر نہیں کرنا چاہیئے جن کیلئے اُسے ذمہ

دار ٹھہرایا جائے۔ اُسے اپنے مخلصانہ فیصلوں پر صبر اور ثابت قدمی سے عملدر آمد کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ سے قربت اور اخلاص کم از کم اس قسم کا ہونا چاہیئے جو کہ انسان بے بسی اور خوف کی حالت میں بھی محسوس کرتا ہو۔

یاد رکھنے کیلئے سب سے اہم حقیقت یہ ہے: اس دنیا میں انسان کا سب سے بڑا مقصد حیات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے اور اس کا ایسا فرمانبردار بندہ بننا ہے جس کا مطمع نظر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو۔ اس کے علاوہ ہر چیز یعنی کامیابی و کامرانی، مال و متاع، اہل وعیال، طرز زندگی وغیرہ صرف ایسے ذرائع ہیں جن سے انسان قربت الٰہی حاصل کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کی دوڑ دھوپ جو صرف ان ذرائع کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں اور اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ یہ سب انعامات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس کا شکر ادا کریں' ایسے لوگ تہی دامن ہوں گے۔ اس دنیا میں حاصل کردہ یہ عارضی فائدے انسان کیلئے توشۂ آخرت نہ بن سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ خبردار کرتا ہے کہ یہی وہ لوگ ہوں گے جو کہ غم کے ہاتھوں سب سے زیادہ بے بس ہوں گے:

... نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ... ضَلَّ سَعْيُهُمْ
... وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ
... كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ
... الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾

آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ لوگ جن کی دنیا میں کی کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی اور وہ (بوجہ جہل کے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رب کی آیتوں کا

(یعنی کتب الٰہیہ کا) اور اس کے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں۔ سو (اس لئے) ان کے سارے کام غارت ہو گئے تو قیامت کے روز ہم ان (کے نیک اعمال) کا ذرہ بھی وزن قائم نہ کریں گے۔ (سورہ الکہف : ۱۰۳۔۱۰۵)

بشرطیکہ جو اس دنیا میں اپنے طرزِ عمل اور اخلاق سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ یقیناً اس کو اس دنیا میں اور آخرت میں اپنی پناہ میں رکھے گا۔ تاہم اگر وہ یہ موقع اس دنیا میں گنوا بیٹھتا ہے تو اسے اس خوفناک غلطی کا پچھتاوا اس لمحے ہوگا جب موت کے فرشتے حاضر ہوں گے۔ اس غلطی کا ازالہ ممکن نہیں اور یہ دائمی پچھتاوے کا باعث بنے گی۔ قرآن پاک میں اپنے رب کے سامنے احساس تاسف کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

يَقُولُ يَٰلَيْتَنِى قَدَّمْتُ لِحَيَاتِى ﴿٢٤﴾

کہے گا کاش میں اس زندگی (اُخروی) کیلئے کوئی عمل (نیک) آگے بھیج لیتا۔ (سورہ الفجر : ۲۴)

وَيَقُولُ يَٰلَيْتَنِى لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّىٓ أَحَدًا ﴿٤٢﴾

۔۔۔ (اور) کہنے لگا کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔ (سورہ الکہف:۴۲)

يَقُولُ يَٰلَيْتَنِى ٱتَّخَذْتُ مَعَ ٱلرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾

۔۔۔ اور کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسول ﷺ کے ساتھ (دین کی) راہ پکڑ لیتا۔ (سورہ الفرقان:۲۷)

جس شخص کو عین اس لمحے یہ مایوس کن الفاظ کہنا گوارا نہیں اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے رب کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کر دے اور اپنے خالق کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق اپنی زندگی کو اُس سانچے میں ڈھال لے۔

انسان کو اس دنیائے فانی میں احساس ندامت سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔

یہ دنیاوی زندگی انسان کو ایک اہم موقع فراہم کرتی ہے تاکہ وہ اخروی زندگی جو کہ ایک کامل اور ابدی زندگی ہے کو سنوار سکے۔

جو لوگ اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور دین اسلام سے عاری زندگی بسر کرتے ہیں تو انہیں دنیا میں گزارے گئے ہر لمحے کا پچھتاوا ہوگا جب وہ آخرت کے عذاب کو دیکھیں گے۔ یہ اس حقیقت کی وجہ سے ہے کہ ان لوگوں کو متعدد بار خبردار کیا گیا اور انہیں جنت اور دوزخ کے دو ٹھکانوں کے وجود سے آگاہ کیا گیا۔ ان کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا کہ صرف ان کا عمل ہی اس امر کا فیصلہ کرے گا کہ ان کا ٹھکانا کس جگہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس دنیا میں احساس تاسف کے بارے میں انسانوں کی تربیت کا اہتمام کیا ہے۔ اس نے پچھتاوے کی آزمائش کے ذریعے ان کے احساسات اور خیالات میں تاسف کی تحریک پیدا کر کے ایسا کیا ہے تاکہ انسان اس اٹل اور ناقابل تنسیخ انجام پر پہنچنے سے بچ سکے۔ مزید اللہ تعالیٰ انسان کو کچھ مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی غلطیوں اور خراب طرز زندگی کا تزکیہ کر سکے۔ دوران زندگی ہر شخص کو توبہ کا موقع فراہم کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی اللہ کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق گزارے۔

اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو احساس تاسف حقیقت میں ایک بہت اچھا موقع ہے جو کہ اللہ تعالیٰ انسان کو عطا کرتا ہے۔ یہ اس لئے کہ شدید پچھتاوے کے بعد اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اخلاص کے بدلے اُسے ابدی نجات عطا کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی جان بوجھ کر ان تنبیہوں اور مواقع کو نظر انداز کرتا ہے تو اس کی سزا دائمی پچھتاوا اور رنج و غم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان لوگوں کی متعدد مثالیں بیان کی ہیں جو کہ اپنی غلطیوں پر پچھتاتے ہیں۔ یہ احساسات ندامت لوگوں کے ایک گروہ کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اپنی باقی ماندہ زندگیوں میں اپنی غلطیوں کو دہرانے سے احتراز کریں۔ تاہم ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو ہر وقت اس پچھتاوے کو یکسر بھول جاتا ہے اور اپنی مستقل جہالت کی بدولت اپنے سابق باغیانہ نفسوں کی طرف لوٹ جاتا ہیں۔

ان تین اشخاص کا اظہار تاسف جنہوں نے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران غزوہ میں حصہ نہ لیا توبہ کی ایک مناسب مثال ہے جس کے سوتے احساس ندامت سے پھوٹتے ہیں۔ اس کا علم ہم قرآن پاک سے حاصل کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر (ﷺ) کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی توجہ فرمائی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا۔ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا پھر اللہ نے ان (گروہ) کے حال پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب (ان کی) پریشانی کی یہ نوبت پہنچی کہ زمین باوجود

اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے
اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی
بجز اس کے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے اس وقت وہ خاص توجہ
کے قابل ہوئے پھر ان کے حال پر (بھی خاص) توجہ فرمائی تا کہ وہ
آئندہ بھی رجوع کیا کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے
بڑے رحم کرنے والے ہیں۔(سورہ التوبہ : ۱۱۷۔۱۱۸)

جیسا کہ ہمیں مندرجہ بالا آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے ان پیچھے رہ جانے والے تین اشخاص نے اپنے دلوں میں شدید ندامت محسوس کی۔ نتیجتاً انہیں احساس ہوا کہ اس پچھتاوے سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ انسان توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ کا طلبگار ہو۔ یہ مخلصانہ اظہار ندامت ہے جو لوگوں میں تحریک پیدا کرتا ہے۔ ان کی زندگیوں میں تبدیلی لاتا ہے اور اُن کو اپنی غلطیوں کی اصلاح پر مجبور کرتا ہے۔ ایسے مخلص لوگ اپنی زندگی رضائے الٰہی کے تابع گزارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عفو کے امیدوار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کو بخش دیتا ہے:

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ
سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ وَمَن تَابَ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

مگر جو (شرک و معاصی سے) توبہ کر لے اور ایمان (بھی) لے
آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گزشتہ
گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔
اور جو شخص (جس معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو

وہ (بھی) عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ (وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔ (سورہ الفرقان : ۷۰۔۷۱)

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٥٣﴾

اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے پھر وہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ کا معاف کر دینے والا، رحمت کر دینے والا ہے۔ (سورہ الاعراف : ۱۵۳)

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾

میں ایسے لوگوں کیلئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کر لیں اور ایمان لے آویں اور نیک اعمال کریں پھر (اسی) راہ پر قائم (بھی) رہیں۔ (سورہ طٰہٰ : ۸۲)

قرآن پاک میں یہ بھی ذکر ہے کہ وہ قومیں جن کی طرف انبیاء بھیجے گئے انہوں نے اپنے گناہوں پر اظہار تاسف کیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم ان کا کوہ سنائی سے واپسی کا انتظار نہ کر سکی جو کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لانے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھول کر بت پرستی کی طرف لوٹ گئی۔ اس قوم کا اپنے گناہوں کیلئے شدید پچھتاوا اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾

اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم نے ان کے بعد اپنے مقبوضہ زیوروں کا ایک بچھڑا (معبود) بنا لیا جو کہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ اُن سے بات تک نہ کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا اس کو معبود بنا لیا اور بڑا بے ڈھنگا کام کیا اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا (یہ) گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے۔ (سورہ الاعراف: ۱۴۸۔۱۴۹)

قرآن پاک میں باغ کے مالکان کی کہانی میں پچھتاوے پر پھر ایک مرتبہ زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انعام کے طور پر ایک باغ اُن کو عطا کیا۔ تاہم وہ مغرور اور متکبرّ ہو گئے۔ غ پر خود زبردستی قبضہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا بھول گئے۔ تاہم انہیں ملنے والی سزا نے پنے اعمال پر پچھتاوے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع پر مجبور کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ﴿٣١﴾ عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ ﴿٣٢﴾

ہم نے ان کی آزمائش کر رکھی ہے جیسا ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جبکہ ان لوگوں نے (یعنی اکثر یا بعض نے) قسم کھائی کہ اس (باغ) کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لیں گے اور (ایسا وثوق ہوا کہ) انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا سو اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا (عذاب) پھر گیا اور وہ سو رہے تھے۔ پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت (کہ خالی زمین رہ جاتی ہے) سو صبح کے وقت (سو کر جو اٹھے تو) ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تم کو پھل توڑنا ہے۔ پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پائے اور (بزعم خود) اپنے کو اس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے۔ پھر جب (وہاں پہنچے اور) اس باغ کو (اس حالت میں) دیکھا تو کہنے لگے کہ بیشک ہم راستہ بھول گئے بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی۔ ان میں جو (کسی قدر) اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم کو کہا نہ تھا۔ اب (توبہ اور) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ سب (توبہ کے طور پر) کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہم قصوروار ہیں۔ پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر الزام دینے لگے (پھر سب متفق ہو کر کہنے لگے) بے شک ہم حد سے نکلنے والے تھے۔ (سب مل کر توبہ کر لو شاید (توبہ کی برکت سے) ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ اس کے بدلے میں دے دے (اب) ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ (سورہ القلم : ۱۷۔۳۲)

لیکن جب حالات تبدیل ہو جاتے ہیں یا اُن کو ایک نیا موقع فراہم کیا جاتا ہے تو

اکثر لوگ تنبیہ کو بھول جاتے ہیں جس کے بارے میں باور کیا جاتا ہے کہ وہ انہیں پچھتاوے اور توبہ پر مجبور کرتی ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے کہ وہ نیک اعمال کریں۔ وہ جو تنبیہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنے سابق طرز عمل کی طرف لوٹ جاتے ہیں ان کو لازماً سزا ہوگی تاوقتیکہ وہ توبہ نہ کریں جیسا کہ ثمود کا معاملہ ہے جو کہ حضرت صالح (علیہ السلام) کی قوم تھی۔ ان لوگوں نے شوریدہ سری سے حضرت صالح (علیہ السلام) کی تنبیہ کو رد کر دیا اگرچہ وہ جانتے تھے کہ وہ اپنی ناگزیر عاقبت کیلئے پچھتائیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے حکم کی تعمیل میں کبھی بھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا:

[illegible]

(صالح علیہ السلام) نے فرمایا کہ ایک اونٹنی ہے۔ پانی پینے کیلئے ایک باری اس کے حصے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری۔ اور (ایک یہ ہے کہ) اس کو برائی (اور تکلیف دہی) کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو ایک بھاری دن کا عذاب آ پکڑے۔ سو انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا پھر (جب آثار عذاب کے نمودار ہوئے تو) اپنی حرکت پر پشیمان ہوئے۔ پھر آخر عذاب نے ان کو آ لیا۔ بیشک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔ اور بے شک آپ کا رب بڑا زبردست، بہت مہربان ہے (کہ باوجود قدرت کے مہلت دیتا ہے) (سورہ الشعرآء: ۱۵۵۔۱۵۹)

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ وہ کسی عیب کو بے جواب نہیں چھوڑتا۔ تاہم وہ فراخدلی سے اچھے اعمال کی جزا دیتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو اپنی رحمت اور جنت کی خوشخبری دیتا ہے جو پُر خلوص توبہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کو مدنظر رکھتے ہوئے انسان کو اپنے آپ سے پوچھنا چاہیئے: شدید تکلیف سے آگاہ ہوتے ہوئے جو کہ ایک عارضی پچھتاوا اس دنیا میں دیتا ہے، کیا یہ مناسب ہوگا کہ دائمی پچھتاوا کا خطرہ مول لیا جائے؟ اس امر کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ یہ ایک ایسا پچھتاوا ہوگا جس سے اُسے ابدی حیات بعداز موت کے دوران دوزخ میں دوچار ہونا پڑے گا۔

یقیناً کوئی بھی آخرت میں ایسے احساس ندامت کے خطرے میں نہیں پڑے گا۔ ایسی صورت میں کسی شخص کو کیا کرنا ہے صاف ظاہر ہے۔ اس دنیا میں ہر فرد کے پاس ابھی وقت ہے کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے اس انعام سے فائدہ حاصل کرتا ہے وہ نہ صرف نارِ جہنم سے بچ جائے گا بلکہ آخرت کی ابدی زندگی کی رحمتوں اور برکتوں کا بھی وارث ہوگا۔

اس لئے ہر وہ شخص جو ان نعمتوں کے حصول کیلئے کوشاں ہے اور جہنمی لوگوں کے پچھتاوے سے احتراز کرتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنی زندگی وقف کر دے۔ ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ غیر مشروط طور پر ایسا راستہ اپنائے جو کہ انسان کو اندھیرے کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔ اس راستے کا تعین اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾

وہ ایسا (رحیم) کہ وہ (خود بھی) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر

رحمت بھیجتے رہتے ہیں تا کہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بہت مہربان ہے۔ وہ جس روز اللہ سے ملیں گے تو ان کو جو سلام ہوگا وہ یہ ہوگا کہ السلام علیکم اور اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے عمدہ صلہ (جنت) میں تیار کر رکھا ہے۔

(سورہ الاحزاب:۴۳۔۴۴)

کفار کیلئے دائمی پشیمانی کی ابتدا:

موت
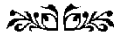
كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٣٥﴾

ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا۔ اور ہم تم کو بُری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں اور پھر (اس زندگی کے ختم ہونے پر) تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔ (الانبیاء : ۳۵)

موت کو وہ لوگ فنا کی آخری حد اور زندگی کا قطعی خاتمہ سمجھتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ تاہم یہ موت کا غلط ادراک ہے کیونکہ موت اختتام نہیں بلکہ حیات بعداز موت کا آغاز ہے۔ مومنین کیلئے یہ ایک مکمل اور ابدی جنت کا آغاز ہے جو کہ ہر قسم کے عیوب اور برائیوں سے پاک ہے۔ دوسری طرف کفار کیلئے ''دوزخ'' زندگی کی ایسی تبدیلی ہے جہاں وہ ہمیشہ کیلئے شدید عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

وہ لوگ جن کو اس حقیقت کا ادراک ہے وہ اس دنیا میں بھی خوشگوار انجام سے دوچار ہوں گے جب وہ موت کی آغوش میں چلے جائیں گے اور آخرت میں بھی ابدی زندگی کا خوشگوار آغاز ہوگا۔ یہ دونوں تبدیلیاں یکے بعد دیگرے رونما ہوتی ہیں۔

دوسری طرف کفار کو اس حقیقت سے چشم پوشی پر نا قابل تلافی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ ہر لمحہ اس لامحدود پشیمانی سے دوچار ہوتے ہیں اور کبھی بھی اس سے چھٹکارا نہیں پاسکیں گے۔

اگرچہ موت اکثر لوگوں کیلئے کوئی عمیق سوچ و بچار کا موضوع نہیں رہا پھر بھی یہ

یک ناگزیر اور اٹل اختتام ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کے قطعی اختتام کیلئے موت کی بنا ڈالی ہے۔ آج تک کسی بھی فرد کو موت سے رستگاری نہیں ہوئی۔ کسی کا بھی مال و متاع، محافظ یا قریبی دوست احباب اس کو موت کے بے رحم پنجے سے نہیں چھڑا سکے۔ یقیناً ہر ایک کو ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن پاک میں بہت سی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ط

تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آ دبوچے گی اگرچہ تم قلعی چونہ کے قلعوں ہی میں ہو۔ (سورہ النساء : ۷۸)

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

آپ (ان سے یہ بھی کہہ دیجئے) کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ (موت ایک روز) تم کو آ پکڑے گی۔ پھر تم پوشیدہ اور ظاہر جاننے والے (خدا) کے پاس لے جائے جاؤ گے۔ پھر وہ تم کو تمہارے سب کئے ہوئے کام بتلا دے گا۔ (سورہ الجمعۃ : ۸)

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ط وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اس کی معیاد (عمر ختم ہونے پر) آ جاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔ (سورہ المنافقون : ۱۱)

اس لئے کیا موت اور حیات بعد از موت پر غور و فکر کسی کو اس حقیقت کا سامنا

کرنے سے بچا سکتی ہے؟ یقیناً اس سوال کا جواب نفی میں ہوگا۔ کیونکہ انسان کا رویہ موت کے بارے میں مایوس کن ہے۔ انتہائی معقول بات تو یہ ہے کہ انسان مسلسل موت کے بارے میں غور و فکر کرتا رہے اور آخرت کے لئے تیاری کرتا رہے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کے بارے میں بہت زیادہ غور و فکر کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کا دل کھول دیتا ہے جو موت کے بارے میں زیادہ سوچتا ہے اور اپنے لئے موت آسان بنا لیتا ہے (ابوہریرہ سے روایت ہے، رموز الحدیث، گوزکا پبلیشنگ، استنبول، حصہ اول صفحہ ۸۰/۱۵)

جو لوگ ناپائیدار دنیاوی زندگی کے خبط میں پڑ کر آخرت کے بارے سوچنے سے غافل ہو جاتے ہیں ان کو اچانک موت آ لیتی ہے۔ وہ جو یہ کہتے ہیں: ''جبکہ ابھی ہم جوان ہیں ہم اپنی زندگیوں کو بنا اور سنوار سکتے ہیں اور ہمیں اپنی زندگی کے آخری سالوں میں موت کے بارے میں سوچنا چاہیئے'' یقیناً ایسے لوگوں کو اس امر کا ادراک نہیں کہ عین ممکن ہے ان کو ایسا موقع اور مہلت پھر کبھی مُیسر نہ ہو، یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کا فیصلہ پہلے سے لکھ دیا ہے۔ ممکن ہے کوئی شخص بوڑھا ہونے سے بہت پہلے مر جائے ایسی صورت میں محض مستقبل کی منصوبہ بندی اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل میں التواء صرف خوفناک پشیمانی پر منتج ہوگا۔

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے دور رہ کر اپنی زندگیاں بسر کرتے ہیں اور اس وقت توبہ کرتے ہیں جب انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ اب موت قریب ہے وہ ایسی پشیمانی سے دوچار ہوں گے۔ تاہم ایسی توبہ جو موت کے خوف سے کی جائے اور جس میں خلوصِ نیت سے اپنی اصلاح اور تزکیہ نفس کا عنصر نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کو بھی قبول نہیں ہے۔ موت کی موجودگی کے باوجود دنیاوی زندگی سے کھلم کھلا التفات رکھنے والے یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو بے باکی سے صرف اُس وقت اپنے آپ کو بچانے کی تگ ودو کرتے ہیں جب انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اب موت قریب ہے۔ تاہم اس سے انہیں کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ان کی ریاکاری اور مکاری کو خوب جانتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے قریب ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ انسان کے من میں کیا ہے جس میں اس کے باطنی خیالات اور گہرے راز شامل ہیں۔ ہمیں قرآن پاک میں آگاہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس توبہ کو قبول نہیں کرے گا جو کہ عین موت کی گھڑی خوف کی وجہ سے کی جائے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ہی ان لوگوں کی جن کو حالتِ کفر پر موت آ جاتی ہے ان لوگوں کیلئے ہم نے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔ (سورہ النساء : ۱۸)

بہت سی آیات میں بتلایا گیا ہے کہ جب ان کو ایک اور موقع فراہم کیا جاتا ہے تو یہ ریاکار لوگ جلد ہی دوبارہ ناشکر گزاری کا طرز عمل اپنا لیتے ہیں:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے

جائیں گے تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج
دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ
بتائیں اور ایمان والوں سے ہو جائیں۔ بلکہ جس چیز کو اُس کے قبل
دبایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آگئی ہے اور اگر یہ لوگ پھر واپس
بھی بھیج دیئے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا
گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ (سورہ الانعام: ۲۷_۲۸)

اس بنا پر یہ غلط ہوگا اگر اپنے استدلال کی بنیاد اس ارادہ پر رکھی جائے: ''میں مناسب اور موزوں وقت پر توبہ کروں گا''۔ اس قسم کی سوچ انسان کو دوزخ کے عذاب سے نہیں بچا پائے گی۔ اس لئے جو شخص موت کے بعد دائمی شدید سزا سے بچنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ وہ کسی مقصد کیلئے جیئے یہ جانتے ہوئے کہ اس کو بالآخر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

موت کے وقت کفار کی پشیمانی

لوگوں کو ان کی زندگی میں بارہا جنت اور دوزخ کی حقیقت بارے یاد دہانی کرائی جاتی ہے تاکہ وہ اخروی زندگی کیلئے تیاری کریں۔ تاہم کفار ان یاد دہانیوں پر کان نہیں دھرتے۔ موت کا سامنا ہونے پر ان کی پشیمانی کا بڑا ذریعہ یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان پیدا کیا۔ کسی نے ان کو مجبور نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی مرضی سے اپنے لئے اس دردناک انجام کا انتخاب کیا۔ موت کی گھڑی ہی سے کفار اس کلفت و ملال سے دوچار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ موت کے وقت اس بھیانک خوف کا احساس ہی اس عذاب کا ابتدائی ملال ہے جس کا قرآن پاک میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ

الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلٰى أَهْلِهِ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ﴿۳۵﴾

۔۔۔۔ اور (شدت سکراتِ موت سے) ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے۔ اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے تو اس نے نہ تو (خدا اور رسول کی) تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی لیکن (خدا اور رسول کی) تکذیب کی تھی اور (احکام سے) منہ موڑا تھا۔ پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا۔ تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے۔ پھر (مکرر سن لے کہ) تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے۔

(سورہ القیٰمۃ: ۲۹۔۳۵)

تاہم یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ صرف کفار ہی اس خوف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مومنین پُر امید ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ساری زندگی اللہ کی رضا کی خاطر گزارتے ہیں۔ دوسری طرف کفار کی پشیمانی بہت دیر رس ہوتی ہے جب موت ان پر غالب آ جاتی ہے۔ تاہم یہ پشیمانی کسی طرح بھی ان کو سزا سے نہیں بچا سکتی کیونکہ اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ موت کے لمحے کفار کی روحیں بڑی تکلیف سے قبض کی جاتی ہیں:

وَلَوْ تَرٰى إِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا أَيْدِيْهِمْ ۚ أَخْرِجُوْٓا أَنْفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

۔۔۔ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں

میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے ہاں اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔ (سورہ الانعام : ۹۳)

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَ أَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾

سو ان کا کیا حال ہوگا جبکہ فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے اور ان کے چہروں پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے۔

(سورہ محمد : ۲۷)

تاہم اس امر کا مکمل ادراک کہ کفار موت کے وقت کس تلخ تجربے سے گزرتے ہیں یقیناً ناممکن ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ اس صورتِ حال کو بیان فرماتا ہے تاکہ انسان غور و فکر کر سکے اور ایسے دردناک انجام سے دوچار ہونے سے بچ جائے جیسا کہ آیات قرآنی میں بیان کیا گیا۔ موت کے فرشتے کفار کے چہروں اور پشتوں پر ضرب لگاتے ہوئے ان کی روحیں قبض کریں گے۔ اس لمحے کفار جسمانی کرب اور گہری پشیمانی میں مبتلا ہوں گے کیونکہ وہ جانتے ہوں گے کہ اب ان کو دنیا میں واپس جانے کا کوئی موقع اور مہلت نہیں ملے گی۔

موت کے وقت انسان کھلے احساس کے ساتھ یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ اس پر کیا بیتنے والا ہے۔ یہ اس کی ابدی زندگی کی ابتدا ہے۔ موت ایک عبوری حالت ہے۔ یہ حقیقت میں گوشت پوست سے روح کی علیحدگی کا عمل ہے۔

شدت سکراتِ موت کی وجہ سے کفار سمجھتے ہیں کہ اُن کو ایسے عذاب عظیم سے دوچار ہونا پڑے گا جو کہ دائمی ہوگا۔ وہ جو اپنی ساری عمر اللہ کے دین سے دوری میں بسر کرتے ہیں وہ سنجیدگی سے اللہ تعالیٰ سے بخشش اور امان کی التجا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اُن کا استدلال یہ ہوتا ہے کہ اُن کو دنیا میں واپس بھیجا جائے تاکہ وہ نیک کام کریں اور جو کچھ وہ گنوا چکے ہیں اس کا ازالہ کریں۔ لیکن اُن کی خواہشات قابل قبول نہیں کیونکہ اُن کو ''اچھی خاصی طویل زندگی عطا کی گئی تاکہ وہ عبرت پکڑیں'' جس طرح کہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اُن کو جنت کے باغات کی خوش خبری دی گئی اور انہیں نارِ جہنم سے بھی خبردار کیا گیا لیکن انہوں نے دیدہ دانستہ ان سچائیوں سے روگردانی کی۔ تاہم ایک اور موقع ملنے پر وہ نافرمانی کی طرف متوجہ ہو گئے جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے:

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠٠﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی (کے سر) پر موت آ (کھڑی) ہوتی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو (دنیا میں) پھر واپس بھیج دیجئے تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں (پھر جا کر) نیک کام کروں ہرگز (ایسا) نہیں (ہوگا) یہ (اس کی) ایک بات ہی بات ہے۔ (سورہ المؤمنون : ۹۹۔۱۰۱)

کفار جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوتے' نہ ہی اُس کے احکام بجا لاتے ہیں اور نہ ہی بلند ضابطہ اخلاق کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بوقت موت وہ اس قابل بھی نہیں ہوتے کہ محض سجدہ ہی کر لیں جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى

السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

(وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن کہ ساق کی تجلی فرمائی جائے گی اور سجدہ کی طرف لوگوں کو بلایا جائے گا سو یہ (کافر) لوگ سجدہ نہ کرسکیں گے اور ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) جھکی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) یہ لوگ (دنیا) میں سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے اور وہ صحیح سالم تھے (یعنی اس پر قادر تھے) (سورہ القلم : ۴۲۔۴۳)

ایک اور نکتہ جو کہ لوگوں کی پشیمانی میں اضافہ کا موجب بنتا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے لوگ بوقت موت جان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے سچے ہوتے ہیں۔ مومنین جن پر کفار اعتبار نہیں کرتے اور دنیا میں اُن کو سنجیدگی سے نہیں لیتے بلکہ اُن کا مذاق اڑاتے ہیں کسی ایسے غم سے دوچار نہیں ہوتے جس سے کفار اُس دن گزرتے ہیں۔ اُن کو ہمیشہ کیلئے بہترین انعامات کے ساتھ نوازا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی ساری زندگی بڑے پُرخلوص طریقے سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے گزارتے ہیں۔ کفار کے برعکس ان کی روحیں بغیر کسی تکلیف کے نرمی سے نکالی جاتی ہیں۔ (سورہ النّٰزعٰت : ۲) جیسا کہ آیت میں بیان کیا گیا ہے فرشتے مومنین کو خوش آمدید کہتے ہیں اور ان کو جنت کی بشارت دیتے ہیں:

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ لا يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (شرک سے) پاک ہوتے ہیں۔ وہ فرشتے کہتے جاتے ہیں السلام علیکم تم جنت میں چلے جانا اپنے اعمال کے سبب۔ (سورہ النحل : ۳۲)

کفار کیلئے ایک اور ذہنی عذاب بھی ہے۔ ان کو بھی وہی مواقع فراہم کیے جاتے

ہیں جو کہ اس دنیا میں مومنین کو دیے جاتے ہیں تاہم وہ اپنی مرضی سے عارضی دنیاوی مفادات کی خاطر جنت کے دائمی انعامات سے محروم ہو جاتے ہیں: اگرچہ اُن کو یہ یاددہانی کرادی گئی تھی کہ دنیا انسان کیلئے محض آزمائش کی جگہ ہے اور اصل ٹھکانا آخرت ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے اس امر سے لاعلمی کا بہانا بنایا۔ اس لئے انہوں نے جنت کے حصول کیلئے اپنے آپ کو نیک اعمال میں مصروف نہ رکھا۔ تاہم قرآن پاک کے اخلاقی قوانین کے مطابق زندگی گزارنا اور مخلص مومن بننا ہر ایک کیلئے صرف اُسی صورت ممکن ہے جب وہ پختہ ارادے کا مالک ہو، ان تمام پہلوؤں پر غور کرنا کفار کی پشیمانی میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔

ایک آیت قرآنی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾

یہ لوگ جو بُرے بُرے کام کرتے ہیں کیا خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے۔ کیا ہی بُرا حکم لگاتے ہیں۔

(سورہ الجاثیہ: ۲۱)

دوسرے الفاظ میں ہر ذی روح کو جزا اور سزا کا مناسب صلہ عطا کیا جائے گا، نیکی کو خوش خبری کے ساتھ اور بدی کو غضب ناک سزا کے ساتھ۔

مزید برآں یہ خوف کہ دوزخ ان کیلئے تیار کی گئی ہے کفار کے احساس تاسف کو شدید کردے گی، اُس وقت تک وہ صرف اپنی روحوں کی علیحدگی کی تکلیف سے دوچار ہوئے تھے۔ تاہم یہ تکلیف ان کو قریب الوقوع قیامت سے آگاہ کردے گی۔

کفار کی پشیمانی جس کا آغاز سکراتِ موت کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے ہمیشہ کیلئے برقرار رہے گی۔ ہر گزرنے والا لمحہ، پل اور دن وہ اس دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے اور وہ

کبھی بھی پچھتاوے سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گے۔

تاہم یہ انسان کے بس میں ہے کہ وہ ایسے پچھتاوے سے دوچار نہ ہو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ سکراتِ موت کا انتظار ہی کیا جائے تاکہ موت اور بعد از موت کی حقیقت کا ادراک ہو سکے۔ مومنین کیلئے اللہ کا وعدہ ہی کافی ہے۔ موت کے بعد یقیناً اللہ کا انصاف ہی غالب آئے گا۔ کفار کو نارِ جہنم کی سزا ہوگی اور مومنین کو جنت کے باغات سے نوازا جائے گا۔

اس لئے موت سے قبل کسی شخص کے کرنے کیلئے انتہائی دانائی کا کام یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کا طالب ہو اور اس کی بخشش کا امیدوار رہو۔ ہر طالب حق کیلئے یہ ضروری ہے کہ پوری توجہ سے قرآن پاک کی تلاوت کرے اور اس کے مطالب اور معانی میں غور و فکر کرے کیونکہ قرآن پاک انسانیت کیلئے صراط مستقیم کی راہنما کتاب ہے۔ انسان کو قرآن پاک کے معانی اور مطالب پورے طور پر سمجھنا چاہیئے اور اس کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنا چاہیئے ۔انسان کو موت کے تصور سے احتراز کے بجائے اس کی حقیقت اور قربت پر غور کرنا چاہیئے ۔ایسا کرنے سے ہی اس کو فائدہ ہوگا۔

وہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے' دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے' وہ بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے رب سے راضی ہو جاتا ہے اور رب اس سے راضی ہو جاتا ہے:

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

(اور جو اللہ کے فرمانبردار تھے، ان کو ارشاد ہوگا کہ) اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار (کے جوارِ رحمت) کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر (ادھر چل کر) تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا (کہ یہ بھی نعمت روحانی ہے) اور

میری جنت میں داخل ہو جا۔ (سورہ الفجر : ۲۷۔۳۰)

پچھتاوے سے بچاؤ اور دائمی مسرت کے حصول کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان موت اور آخرت دونوں پر غور و فکر کرے اور اللہ جو کہ انسان کا خالق ہے کے بتلائے ہوئے راستے کو اپنائے۔

قیامت کے دن احساس پشیمانی

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ﴿٦٨﴾ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٧٠﴾

اور (قیامت کے روز) صُور میں پھونک ماری جائے گی۔ سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اُڑ جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے۔ پھر اُس (صُور میں) دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعتہً سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے اور (چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی اور سب کا نامئہ اعمال (ہر ایک کے سامنے) رکھ دیا جائے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جائیں گے اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جائے گا۔ اور ان پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔ اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے۔ (سورہ الزمر: ۶۸۔۷۰)

اس روئے زمین پر رہنے والوں کو روزِ محشر دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ دوبارہ اٹھائے جانے کا لمحہ کفار کیلئے اضطراب اور پریشانی میں ڈالنے والا ہوتا ہے۔ حشر کے لمحے کفار کے مابین متحیر کن گفتگو کو قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

قَالُوا يَٰوَيْلَنَا مَنۢ بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ ۗ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾

کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی ہم کو قبروں سے کس نے اٹھادیا۔ یہ وہی (قیامت) ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبر سچ کہتے تھے۔ (سورہ یٰسٓ : ۵۲)

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿٩٧﴾

اور (وہ رجوع وبعث کا) سچا وعدہ نزدیک آپہنچا ہوگا تو بس پھر ایک دم سے یہ قصہ ہوگا کہ منکروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (اور یوں کہتے نظر آئیں گے کہ ہائے کمبختی ہماری ہم اس (پر) سے غفلت میں تھے بلکہ واقعی یہ ہے کہ) ہم ہی قصوروار تھے۔ (سورہ الانبیاء:۹۷)

جملہ ''ہائے ہماری کمبختی'' ایک ایسی اصطلاح ہے جو کہ کفار کے پچھتاوے اور خوف کو ظاہر کرتی ہے۔ اس لمحے جب ان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو انہیں احساس ہوگا کہ وہ لوگ جنہوں نے انہیں آخرت سے خبردار کیا تھا وہ سچے اور صادق تھے۔ اتنا زیاں اٹھا لینے کے بعد اب وہ جان لیں گے کہ خطرے کی دوسری علامات بھی ایک ایک کر کے ظاہر ہونا شروع ہر جائیں گی۔ اسی لمحے بچاؤ کے کسی امکان کے بغیر انہیں گھسیٹتے ہوئے عذاب میں جھونک دیا جائے گا جس کی حقیقت وہ قبل ازیں تسلیم نہ کرتے تھے۔

مردہ حالت سے زندہ ہونے کے بعد کفار کو اللہ تعالیٰ کے سامنے لا کھڑا کیا جائے گا۔ اس دنیا میں کیے گئے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور اس کے مطابق انصاف کیا جائے گا۔ اس مقصد کیلئے ان کو ان تمام دوسرے متکبّر اور مغرور لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے گا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کیا تھا:

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ أَفْوَاجًا ﴿١٨﴾

یعنی جس دن صُور پھونکا جائے گا پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آ ؤ گے۔

(سورہ النباء : ۱۸)

قیامت کے دن کفار کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے قہر سے اجتناب سے زیادہ کوئی عمل اہم نہیں ہے۔ اس دنیا میں اس حقیقت کے ادراک میں ناکامی جہاں اللہ تعالیٰ کی طاقت اور وجود کی نشانیاں عیاں ہیں ان کے پچھتاوے کی شدت میں اضافہ کر دے گی۔ اُس دن وہ صاف طور پر دیکھ لیں گے کہ انہوں نے اس مہلت اور موقع کو گنوا دیا ہے۔ اُن کا پچھتاوا ان کے اندازِ گفتگو سے عیاں ہو گا:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ﴿٢٩﴾

اور جس روز ظالم (یعنی آدمی غایت حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا (اور) کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسولؐ کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ جاتا۔ ہائے میری شامت (کہ ایسا نہ کیا اور) کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ اُس کمبخت نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے بہکا دیا (اور ہٹا دیا) اور شیطان تو انسان کو (عین وقت پر) امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے۔ (سورہ الفرقان: ۲۷۔۲۹)

روزِ محشر کفار اپنی تکلیفوں میں اسقدر مبتلا ہوں گے کہ وہ اپنے بچوں، اپنی بیویوں، اپنی ماؤں، اور اپنے باپوں کی پکار سے نظریں پھیر لیں گے۔ قرآن پاک میں اس صورتِ حال کو یوں بیان کیا گیا ہے:

فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾

پھر جس وقت کانوں کا بہرہ کردینے والا شور برپا ہوگا۔ جس روز ایسا آدمی (جس کا اوپر بیان ہوا) اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا (یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا) ان میں ہر شخص کو اپنا ہی ایسا مشغلہ ہوگا جو اُس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔ (سورہ عبس : ۳۳-۳۷)

خاندان اور حسب نسب کا تصور اپنی اہمیت کھودے گا۔ پھر اس کے بعد صرف یہی معاملہ اہم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی سزا اور گرفت سے کس طرح بچا جائے۔ یہ اس قدر اہم ہے کہ اس صورتِ حال سے بچنے کیلئے کفار اپنے بیٹوں، اپنی بیویوں، اپنے بھائیوں وغیرہ کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے:

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾

جس دن کہ آسمان (رنگ میں) تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے (یعنی اڑتے پھریں گے) اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا گو ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے (اور اس روز) مجرم (یعنی کافر) اس بات کی تمنا

کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کیلئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دے دے۔ پھر یہ اس کو (عذاب سے) بچا لے۔ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ (سورہ المعارج : ۸-۱۵)

یقیناً کفار کی یہ ساری کوششیں بارآور نہیں ہوں گی۔ دنیاوی زندگی میں کفار کا سب سے بڑا مقصد مال و دولت اکٹھا کرنا، معاشی طور پر معیارِ زندگی کو بلند کرنا یا اولا دِ نرینہ کی نعمت کو پا لینا ہوتا ہے۔ وہ ان مقاصد کے حصول کیلئے اپنی تمام زندگی گزار دیتے ہیں۔ تاہم روزِ محشر ان کو یہ ادراک حاصل ہوتا ہے کہ یہ تمام تصورات قطعی طور پر گراں بہا نہیں ہیں۔ روزِ محشر وہ دن ہے جب کفار غائب ہو جانے کی خواہش کریں گے۔ تاہم مومنین اس وقت کا خوشی، جوش اور ولولے سے انتظار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات میں ان لمحات کو اس طرح بیان فرماتا ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

بہت سے چہرے اس روز (ایمان کی وجہ سے) روشن (اور مسرت سے) خنداں شاداں ہوں گے اور اس روز (کفر کی وجہ سے) ظلمت ہو گی (اور اس ظلمت کے ساتھ) ان پر (غم کی) کدورت چھائی ہو گی، یہی لوگ کافر فاجر ہیں۔ (سورہ عبس : ۳۸-۴۲)

قیامت کے روز کسی شخص کا سب سے گراں بہا اثاثہ اس کے وہ نیک اعمال ہوں گے جو کہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیے گئے ہوں گے۔ تاہم کفار اس بیش قیمت خزانے کے حصول کیلئے کبھی کوشش نہیں کرتے جس سے اُن کو دائمی نجات مل

سکتی ہے۔ اُن کے دامن میں اللہ کے حضور پیش کرنے کیلئے کوئی ایک نیک عمل یا نعمت نہ ہو گی۔ اس تہی دامنی کی وجہ سے ان کی تمام نیکوکاری کی جدو جہد رائیگاں جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو یوں بیان فرماتا ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾

آپ (ان سے) کہیئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی اور وہ (بوجہ جہل کے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رب کی آیتوں کا (یعنی کتب الٰہیہ کا) اور اس کے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں۔ سو (اس لئے) ان کے سارے کام غارت ہو گئے تو قیامت کے روز ہم ان (کے نیک اعمال) کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔ (سورہ الکھف : ۱۰۳-۱۰۵)

وہ جو مذہب (دین) سے منکر ہیں اور قیامت کے وجود کے بارے میں اپنے دلوں میں شکوک وشبہات کو جگہ دیتے ہیں وہ قریب آنے والے اُس دن کیلئے تیاری کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ وہ تمام عمر دولت کے انبار اکٹھے کرنے میں اور لا حاصل اور کھوکھلی خواہشات کی تکمیل میں لگے رہتے ہیں۔ اب اُن کو ایک ایسی پشیمانی کا سامنا ہوتا ہے جس سے وہ کبھی بھی چھٹکارا نہ پائیں گے:

وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَٰذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٢٠﴾ هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو وہی روز جزا (معلوم ہوتا) ہے (ارشاد ہوگا کہ ہاں) یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (سورہ الصّٰفّٰت:۲۰-۲۱)

مزید برآں کفار اپنے سارے غیر محتاط' ناپسندیدہ اور برے اعمال جو کہ اُن سے دنیا میں سرزد ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے منکشف پائیں گے۔ اور ان سرزد ہونے والے گناہوں کے وہ ذاتی طور پر گواہ ہوں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی اس طرح ہے:

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

اور سب کے سب آپ کے رب کے روبرو برابر کھڑے کر کے پیش کئے جائیں گے۔ دیکھو آخر تم ہمارے پاس آئے بھی جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ بلکہ تم یہی سمجھتے رہے کہ ہم تمہارے لئے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہے اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری کمبختی اس نامۂ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ (چھوڑا) اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب (لکھا ہوا) موجود پائیں

گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ (سورہ الکہف: ۴۸۔۴۹)

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں۔ سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (سورہ الزلزال: ۶-۸)

جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے پھر وہ وقت آئے گا جب کفار اپنے اعمال نامے دیکھیں گے۔

مومنین اپنا نامۂ اعمال دائیں طرف سے وصول کریں گے جبکہ کفار بائیں طرف سے۔ اُسی لمحے سے جب موت کے فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں کفار کبھی نہ ختم ہونے والی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ لمحہ جب وہ اپنا نامۂ اعمال وصول کرتے ہیں اُن کیلئے ایک اور تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ وہ اپنے اُن جرائم کی طرف نظر ڈالنے سے گریزاں ہوتے ہیں جن کا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف ارتکاب کیا ہوتا ہے اور غائب ہو جانے کی حسرت رکھتے ہیں۔ اس کو مندرجہ ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے:

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ۝ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝ يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ۝

اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ

(نہایت حسرت سے) کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت (اُولیٰ) ہی خاتمہ کر چکتی۔ افسوس میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گزرا۔ (سورہ الحآقّہ : ۲۵۔۲۹)

يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾

جس دن ہر شخص ان اعمال کو (اپنے سامنے حاضر) دیکھ لے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں کئے ہوں گے اور کافر (حسرت سے) کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا (تاکہ عتاب سے بچتا) (سورہ النباء : ۴۰)

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿١١﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿١٣﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿١٤﴾ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿١٥﴾

اور جس شخص کا نامۂ اعمال (اس کے بائیں ہاتھ میں) اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا سو وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا۔ یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین میں خوش رہا کرتا تھا (یہاں تک کہ فرطِ خوشی میں آخرت کی تکذیب کرتا تھا) اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو (خدا کی طرف) لوٹنا نہیں ہے۔ کیوں نہ ہوتا اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا۔ (سورہ الانشقاق : ۱۰۔۱۵)

ان مناظر کو دیکھ کر کفار اس موقع اور مہلت کی اہمیت کو سمجھتے ہیں جس کو انہوں نے دنیا میں گنوا دیا اور انتہائی شدید پچھتاوا محسوس کیا۔ ان کے پچھتاوے میں اُس وقت مزید اضافہ ہوتا ہے جب وہ جنت میں اہل ایمان کی پُر مسرت روحانی زندگی کو دیکھتے اور اس کا

مشاہدہ کرتے ہیں۔ کیونکہ قبل ازیں مومنین نے اُن کو دعوت حق دی لیکن انہوں نے غروراور نخوت سے اسے قبول نہ کیا اوران کی دعوت حق پر کان نہیں دھرا۔

لیکن اب ''انصاف پر مبنی میزان'' قائم کر دیا گیا ہے۔لوگوں کوان کے نامۂ اعمال کی بنیاد پر جنت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا۔فیصلہ کے دن کفار دیکھ لیں گے کہ وہ کس طرف جارہے ہیں۔ یہ جان کر خوف ان پر طاری ہو جائے گا:

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ

(اس روز) آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ اپنے اعمال (کے وبال سے) ڈر رہے ہوں گے اور وہ وبال ان پر (ضرور) پڑکر رہے گا۔

(سورہ الشوریٰ : ۲۲)

اللہ کا انصاف رائج ہوگا اوراعلیٰ ترین انصاف پر مبنی جزااور سزا کا فیصلہ ہوگا:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝

اور (وہاں) قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے (اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے) سوکسی پر ظلم نہ ہوگا اوراگر (کسی کا) عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو (وہاں) حاضر کر دیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔ (سورہ الانبیآء : ۴۷)

یہ کاروائی اہل ایمان کیلئے آسان ہوتی ہے۔تاہم کفار کیلئے یہ انتہائی دردناک اور تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔اُن سے ہراُس نعمت کیلئے جو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں عطا کرتا ہے پوچھ گچھ ہوتی ہے۔انہیں اپنی زندگیوں کے ہر لمحے کیلئے؛ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل میں ناکامی کیلئے؛ اپنے ناشکر گزار طرزعمل کیلئے؛ اپنے باطنی باغیانہ خیالات اوراہانت آمیز

تکذیب کیلئے اور اُس بارہا کی تنبیہ کیلئے جسے انہوں نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا ان سب کا حساب دینا پڑے گا۔ تاہم غیر مخلصانہ عذر جو کہ وہ دنیا میں پیش کرتے رہے اب قابل قبول نہیں ہوں گے۔ اس دن جس صورت حال کا کفار کو سامنا کرنا پڑے گا وہ مندرجہ ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے:

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو اجازت (عذر کی) ہو گی سو عذر بھی نہ کر سکیں گے۔ اُس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا (کہ) یہ ہے فیصلہ کا دن جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔ ہم نے (آج) تم کو اور اگلوں کو فیصلہ کیلئے جمع کر لیا سو اگر تمہارے پاس (آج کے فیصلہ سے بچنے کی) کوئی تدبیر ہو تو مجھ پر تدبیر چلاؤ۔ اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ (سورہ المرسلٰت : ۳۴۔۴۰)

وہ کفار جن کے پاس اللہ تعالیٰ کو پیش کرنے کیلئے کوئی نیک اعمال نہیں ہوں گے یہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے کیا سامان تیار کر رکھا ہے۔ قرآن پاک میں اس جائے عذاب کو ''اتھاہ گڑھا'' کے طور پر بیان کیا گیا ہے:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ

حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

پھر (وزن اعمال کے بعد) جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا (یعنی ناجی ہوگا) اور جس شخص کا پلہ (ایمان کا) ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ (ہاویہ) کیا چیز ہے (وہ) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔ (سورہ القارعۃ : ۶-۱۱)

یہ پچھتاوے کی شدت کے ادراک کیلئے اہم ہیں جس کا کفار فیصلہ کے دن مشاہدہ کریں گے۔ انسان اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ پچھتاوا محسوس کرنے کیلئے فیصلہ کا دن ابھی بہت دور ہے۔ اگر کوئی شخص پورے ہوش وحواس سے وہ سب کچھ سمجھ لے جو کہ اسے اس دنیا میں بتلایا گیا ہے اور نیک اعمال کی انجام دہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے پھر وہ (نیک اعمال کے) بھاری میزان کی آس اور توقع کرسکتا ہے۔ صرف ایسی تگ و دو ہی کسی کو دائمی پچھتاوے سے بچائے گی۔

دوزخ میں پشیمانی کی کیفیت
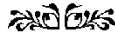
إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾

وہ اُن کو دُور سے دیکھے گی تو وہ لوگ (دور ہی سے) اُس کا جوش و خروش سنیں گے۔ (سورہ الفرقان:۱۲)

پشیمانی جو کہ کفار دوزخ کا منظر دیکھ کر محسوس کرتے ہیں

فیصلہ کے دن جب اُن کا حساب لے لیا جائے گا تو لوگ جمع ہونگے اور ان کو گروہوں کی شکل میں دھکیل دیا جائے گا۔ اس ہجوم میں ہر وہ شخص ہوگا جو تاریخ کے اوراق میں دین (اسلام) اور وجود باری تعالیٰ کا منکر تھا اور وہ جو مغرور و متکبر تھے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (آیات) سے انحراف کیا۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جنہوں نے دولت اور شہرت کے خوب مزے لُوٹے۔ تاہم یہ امر ان کیلئے انتہائی مایوس کن ہوگا کہ وہ چیزیں جن کو وہ اس دنیا میں بڑی اہمیت دیتے تھے بھی ان کو دائمی سزا سے نہ بچا پائیں گی۔ قرآن پاک ہمیں بتلاتا ہے کہ تمام کفار کو ذلت آمیز طریقے سے کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ دوزخ کے دروازے پر دربان آخری مرتبہ ان سے کئے گئے جرائم کا اعتراف کرائیں گے اور پھر اُن کو دوزخ میں داخل کر دیں گے۔ اس کے بعد دوزخ کے دروازے ہمیشہ کیلئے بند کر دئے جائیں گے۔ کفار کو دوزخ میں ہانکنے کی منظر کشی قرآن مجید اس طرح کرتا ہے:

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿71﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿72﴾

اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اس وقت اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ فرشتے بطور ملامت کے کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ کافر کہیں گے کہ ہاں لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا ہو کر رہا۔ (پھر ان سے) کہا جائے گا (یعنی وہ فرشتے کہیں گے) کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو (اور) ہمیشہ اس میں رہا کرو۔ غرض (خدا کے احکام سے) تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانا ہے۔ (سورہ الزمر:۷۱۔۷۲)

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿75﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿76﴾

یہ (سزا) اس کے بدلہ میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور اس کے بدلہ میں ہے کہ تم اتراتے تھے۔ جہنم کے دروازوں میں گھسو (اور) ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو۔ سو متکبرین کا وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ (سورہ المومن : ۷۵۔۷۶)

اس پورے ہجوم میں سے کوئی فرد واحد بھی آگے آ کر یہ دعویٰ نہ کر سکے گا کہ اس کو

اس دن کے بارے میں خبردار نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کہ عادل ہے نے ہر فرد کی یاد دہانی کیلئے پیغمبر بھیجے جنہوں نے انہیں وجود باری تعالیٰ 'یوم القیامہ' جنت اور دوزخ کے بارے میں آگاہ کیا۔ اس لئے کفار یہ تسلیم کریں گے کہ وہ عذاب جہنم کے سزاوار ہیں۔

وہ مغرور اور متکبر رہے اگرچہ انہیں خبردار کیا گیا تھا اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ جس نے انہیں پیدا کیا تھا کی اطاعت سے گریزاں رہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو آگاہ کرتا ہے کہ ایسے ہی لوگوں کی دوزخ میں تذلیل کی جائے گی:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾

اور تمھارے پروردگار نے فرمادیا کہ مجھ کو پکارو میں تمھاری درخواست قبول کروں گا۔ جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔

(سورہ المؤمن :٦٠)

اس دنیا میں اپنے آپ کو مختار و مقتدر خیال کرتے ہوئے ان میں سے بعض لوگوں نے گستاخانہ طریقے سے اپنے رب کے خلاف بغاوت کردی۔ از خود اختیار کردہ طاقت کے بل بوتے پر انہوں نے یہ فرض کرلیا کہ یہ قوت اُن کو نجات دلا دے گی۔ جب انہیں اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ''القہار'' (غالب) اور جنت اور دوزخ کے قیام کے بارے میں یاد دہانی کرائی گئی اور انہیں ان لوگوں کے راستے کی راہنمائی فراہم کی گئی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے تو انہوں نے الٹا جواب دیا:

--- لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٨﴾

اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے اس کہنے پر سزا (فوراً) کیوں نہیں دیتا۔ ان

کے لئے جہنم کافی ہے۔ اسمیں یہ لوگ (ضرور) داخل ہوں گے۔ سو وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ (سورہ المجادلۃ: ۸)

اُن کی سرکشی اور بغاوت کے جواب میں ان کو دوزخ کے دروازوں میں سے گزارا جائے گا اور اُن کو دوزخ سے باہر نکلنے کی کبھی اجازت نہ ہوگی۔ اُسی لمحے جب وہ نارِ جہنم کا مشاہدہ کریں گے تو وہ اپنے گناہوں کیلئے ناقابل برداشت پچھتاوا محسوس کریں گے یہی وہ لمحہ ہوگا جب وہ قطعی طور پر محسوس کریں گے کہ اب دوزخ سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے:

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾

اور (اس وقت) مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے پھر یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے کوئی بچنے کی راہ نہ پائیں گے۔ (سورہ الکہف : ۵۳)

دوزخ میں فہم وادراک کی دماغی قوت بہت تیز ہوگی۔ اس دنیا میں ہر وہ چیز جس کے بارے میں کفار نے عدم واقفیت کا بہانہ بنایا کھل کر روز روشن کی طرح سامنے آجائے گی۔ وہ پوری طرح سمجھ لیں گے کہ انہوں نے بیہودہ مقاصد کے حصول کیلئے اپنی زندگیاں گزار دیں اور بالآخر وہ جان لیں گے کہ انہیں معمولی اور عارضی فوائد کے بدلے میں ہمیشہ کیلئے عذاب میں مبتلا رہنا پڑے گا۔ دنیا میں ملنے والے چند عشرے انہیں طویل مدت دکھائی دے گی جس کے دوران انہوں نے کبھی آخرت کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ ایک مکمل اور مسرت روحانی زندگی جو کہ جسمانی کمزوریوں جیسے بھوک، تھکن اور ضعف وغیرہ سے مبراہوگی کے بجائے انہوں نے اس دنیائے فانی کو ترجیح دی جہاں انسان اپنے آپ کو کبھی ختم نہ ہونے والی بے اطمینانی کا شکار پاتا ہے۔ جونہی وہ دوزخ کے دروازوں سے اندر

داخل ہوتے ہیں تو وہ فوراً بھانپ لیتے ہیں کہ اب ان کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔
تب عذاب سے بچاؤ کیلئے ان کے پاس یہی آخری ترکیب رہ جاتی ہے کہ وہ معاوضہ پیش کر
کے نجات حاصل کریں: اس دنیا میں حاصل کردہ ہر چیز کو بطور معاوضہ پیش کر کے رہائی
حاصل کریں۔ان بے سود کوششوں کو قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

۔۔۔۔۔۔ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

۔۔۔اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہ مانا ان کے پاس اگر تمام دنیا
بھر کی چیزیں (موجود) ہوں اور (بلکہ) اس کے ساتھ اسی کے برابر
اور بھی ہو تو وہ سب اپنی رہائی کیلئے دے ڈالیں۔ان لوگوں کا سخت
حساب ہوگا اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری قرارگاہ ہے۔

(سورہ الرعد : ۱۸)

تاہم دوزخ میں داخلے کی تلخ حقیقت کا سامنا کرتے وقت ان کی طرف سے کی
جانے والی تمام کوششیں بے کار ثابت ہوں گی۔اللہ تعالیٰ ہمیں بتلاتا ہے کہ یہ تمام جدوجہد
بے ثمر ہوگی:

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے۔تم
سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔وہی تمہارا رفیق ہے اور وہ (واقعی) بُرا
ٹھکانا ہے۔ (سورہ الحدید : ۱۵)

یقیناً ان تمام کوششوں کے نتیجہ خیز نہ ہونے کی ایک اہم وجہ ہے۔ جب کہ ابھی وہ دنیا میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ کے بارے میں خبردار کیا تھا۔ ہر چیز ان کو صاف صاف بتلادی گئی تھی کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی مدد کرنے کے قابل نہ ہوگا اور کوئی شخص معاوضہ پیش کرنے کے قابل نہیں ہوگا۔ مزید برآں ان کو یہ یاددہانی بھی کرادی گئی کہ کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ لوگوں کو خبردار کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ایک آیت اس حقیقت کو یوں بیان کرتی ہے:

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٨﴾

اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کرسکتا ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جاسکتا ہے اور نہ ان لوگوں کی طرفداری چل سکے گی۔ (سورہ البقرۃ : ۴۸)

تاہم ان تمام تنبیہوں کے باوجود انہوں نے ان حقائق سے انکار پر اصرار کیا اور جان بوجھ کر اپنے لئے ایسے انجام کا انتخاب کیا۔ اُس دن وہ اس سے اہم حقیقت کو تسلیم کریں گے کہ یہ ان کے اپنے اعمال ہی تھے جن کے سبب وہ دوزخ کے سزاوار ہوئے۔

یہ پچھتاوا ان کیلئے ایک عذاب عظیم ہوگا جس سے وہ کبھی بھی نجات نہ پاسکیں گے۔ اس لئے کہ وہ ایک اہم حقیقت سے دوچار ہوں گے: اگر وہ بیہودہ مقاصد کے حصول کیلئے جدوجہد کے بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم حاصل کرنے میں مصروف رہتے تو اُن کے قدم دوزخ کے بجائے جنت کی دہلیز پر ہوتے۔ صراط مستقیم پر چلنے میں ناکامی کی وجہ سے وہ دائمی نقصان سے دوچار ہوں گے۔

جیسا کہ سورہ البلد کی بیسویں آیت میں بیان کیا گیا ہے "ان پر آگ محیط ہوگی

جس کو محراب کی طرح بند کر دیا جائے گا"۔ ایک مرتبہ جب وہ دوزخ کے دروازوں سے اندر داخل ہو جاتے ہیں تو وہ اندر سے بند ہو جائیں گے۔ ان دروازوں کے پیچھے نارِ جہنم کا عذاب موجود ہوتا ہے جس سے وہ دائمی طور پر دوچار ہونگے۔ کفار کیلئے اس عذاب سے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آگ کو "پرخچے اڑا دینے والی (آگ)" کے نام سے موسوم کرتا ہے:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

اور آپ کو کچھ معلوم ہے وہ توڑ پھوڑ کرنے والی آگ کیسی ہے۔ وہ اللہ کی آگ ہے جو (اللہ کے حکم سے) سلگائی گئی ہے۔ جو کہ (بدن کو لگتے ہی) دلوں تک جا پہنچے گی اور وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی۔ (اس طرح سے کہ وہ آگ کے) بڑے لمبے لمبے ستونوں میں (گھرے ہوں گے)۔ (سورہ الھمزۃ : ۵-۹)

عذاب جس سے کفار دوزخ میں دوچار ہوتے ہیں

آخرت میں جس پچھتاوے کا کفار کو سامنا ہوگا کی روداد بیان کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ میں ملنے والے عذاب کو بیان کیا جائے۔ دوزخ میں عذاب کی مختلف صورتوں سے آگاہی حاصل کئے بغیر ممکن ہے کہ وہاں ہونے والے پچھتاوے کی جسامت کو سمجھنے میں ناکامی ہو۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے کفار کا پچھتاوا اسی لمحے شروع ہو جاتا ہے جب وہ دوزخ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر پچھتاوا ہمیشہ کیلئے جاری وساری رہتا ہے۔ دوزخ میں

آمد پران لوگوں کے مابین گفت وشنید اس طرح ہوتی ہے:

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝

اور جولوگ اپنے رب (کی توحید) کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ اور وہ بُری جگہ ہے۔ جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑے زور کی آواز سنیں گے اور وہ اس طرح جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی غصہ کے مارے پھٹ پڑے گی۔ جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا پیغمبر نہیں آیا تھا۔ وہ کافر کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا پیغمبر آیا تھا۔ سو (یہ ہماری شامت تھی) کہ ہم نے (اسکو) جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے (از قبیل احکام وکتب) کچھ نازل نہیں کیا (اور) تم بڑی غلطی میں پڑے ہو اور (کافر فرشتوں سے یہ بھی) کہیں گے کہ ہم اگر سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں شامل نہ ہوتے۔ غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے۔ سو اہل دوزخ پر لعنت ہے۔ (سورہ الملک : ۶۔۱۱)

جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اُن کو دوزخ میں پھینک دیا جاتا ہے تو وہ ایک ہولناک اور وحشت ناک شور سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شور کو سورہ الملک کی ساتویں آیت میں ''اور وہ اس طرح جوش مارتی ہوگی'' کے طور پر بیان کرتا ہے۔ یہ ہولناک آواز کفار کو ایک بھیانک پریشانی اور خوف میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نارِ جہنم کو ایک ایسی آگ کے طور پر بیان کرتا ہے جو غصہ کے مارے پھٹ پڑتی ہے (سورہ الملک: ۸)۔ منکرین جو کہ اس بھیانک واقع کو دیکھ رہے ہوتے ہیں شدید مایوسی کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ وہ اس سزا کو بھانپ لیں گے جس کا انہیں سامنا کرنا ہوگا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے وہ دنیا میں ان سب کے ادراک میں ناکامی کیلئے پچھتاوے بارے گفتگو کریں گے۔

ایسی پریشانی قابل فہم ہے کیونکہ سزا جس کا انہیں سامنا ہوگا انتہائی بھیانک اور دردناک ہوگی۔ مندرجہ ذیل آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دوزخ ٹھہرنے کیلئے بدترین جگہ ہوگی:

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾

۔۔۔اور وہ جانے کی بُری جگہ ہے۔ (سورہ آل عمران : ۱۶۲)

وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾

۔۔۔اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی۔ (سورہ النساء : ۱۱۵)

وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾

۔۔۔اور ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بُری جگہ ہے بے انصافوں کی۔

(سورہ آل عمران : ۱۵۱)

جہنمی ہجوم در ہجوم اس بُرے ٹھکانے میں پھینک دیئے جائیں گے۔ ایک آیت

میں یہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ''پھر وہ اور گمراہ لوگ سب کے سب اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے'' (سورہ الشعرآء:۹۴) اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام کفار بشمول ان لوگوں کے جو کہ متکبر، مالدار اور جن کی تعظیم کی جاتی تھی کو بے کار سمجھتے ہوئے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ اس دن دنیا میں ان کے غرور اور نخوت کے بدلے میں ان کی تذلیل اور ان سے نفرت کی جائے گی۔

دوزخ میں ان کی کبھی تعظیم نہیں کی جائے گی اور ان پر کبھی رحم نہیں کیا جائے گا وہ ہمیشہ دوزخ کے سوختہ کے طور پر درد و غم میں مبتلا رہیں گے:

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ط أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿۹۸﴾

بلاشبہ تم (اے مشرکین) اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوج رہے ہو۔

سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے (سورہ الانبیآء:۹۸)

وَأُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿۱۰﴾

۔۔۔اور ایسے لوگ جہنم کا سوختہ ہوں گے۔ (سورہ آل عمران:۱۰)

قرآن ہمیں دوزخ میں سزا کی مختلف صورتوں سے آگاہ کرتا ہے۔ جیسا کہ آیت میں بیان کیا گیا ہے وہاں لوگ ''عرصہ دراز'' تک رہیں گے۔ بالفاظ دیگر وہ ہمیشہ سزا میں مبتلا رہیں گے۔ ان میں سے بعض سزاؤں کو ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں۔

سورہ الفرقان کی تیرہویں آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ کفار ''دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے۔'' تنگ جگہ میں مقید رہنا چاہے وہ چند منٹوں کیلئے ہی کیوں نہ ہو کسی کو بے چین کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ چار دیواری میں گھرے ہونے کا تصور ہی اکثر ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ تاہم دوزخ کے عذاب کا اس دنیا میں کسی سزا سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس تنگ جگہ میں قید و بند کے ساتھ انہیں آگ کا بھی سامنا ہوگا۔

مزید برآں ہاتھ پاؤں جکڑے ہونے کی وجہ سے وہ حرکت کرنے کے بھی قابل نہ ہوں گے کہ وہ آگ سے بچاؤ کرسکیں۔حتیٰ کہ ایسے منظر کا تصور ہی انتہائی دردناک ہے۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ آگاہ کرتا ہے کہ کفار ''سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے'' (سورہ الواقعہ:۴۳) عام طور پر لفظ ''سایہ'' ٹھنڈک کی یاد دلاتا ہے۔تاہم دوزخ میں یہ صورت حال نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ دوزخ میں یہ سایہ نہ ہی ٹھنڈا اور نہ ہی فرحت بخش ہوگا۔

دوزخ میں سزا کی ایک اور صورت موت کا عدم امکان ہے۔موت نجات کا ایک راستہ ہے۔اس وجہ سے اللہ تعالیٰ دوزخ میں رہنے والے لوگوں کو مرنے کی اجازت نہیں دے گا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے: ''اور ہر (چہار) طرف سے اس پر (سامان) موت کی آمد ہوگی اور وہ کسی طرح مرے گا نہیں'' (سورہ ابراہیم:۱۷) بالفاظ دیگر وہ ہر قسم کے زدوکوب سے دوچار ہوگا جو عام حالات میں اس کی موت پر منتج ہوتا۔باوجود اس کے وہ نہیں مریں گے اور اس کے بجائے وہ ہمیشہ کیلئے مزید عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

اس دنیا میں شدید جھلسنے سے تھوڑے ہی عرصے میں موت واقع ہوجاتی ہے۔کوئی بمشکل آگ کو برداشت کرسکتا ہے۔حتیٰ کہ اگر کوئی مرتا نہیں ہے بلکہ صرف زخمی ہوتا ہے تو ٹھیک طرح سے اس کے زخم بھرنے میں عرصہ دراز لگتا ہے۔لیکن دوزخ میں آگ کی اذیت کا اُس آگ سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا جس کو ہم اس دنیا میں جانتے ہیں۔دوزخ میں جب ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری کھال پیدا کردیں گے تاکہ عذاب ہی بھگتتے رہیں (سورہ النسآء:۵٦) مختصر یہ کہ دوزخ میں جہنمی آگ کی وجہ سے کبھی نہ ختم ہونے والے درد میں مبتلا رہے گا۔

آگ کی وجہ سے عذاب کی ایک اور صورت کی سورہ الذریٰت کی تیرہویں آیت میں تصویر کشی کی گئی ہے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ جہنمیوں کو آگ کا عذاب ہوگا۔اس درد کا سمجھنا

بعید از قیاس ہے جو کہ ایسی صورت میں پیدا ہوگا۔ اس دنیا میں جلنے کے زخم سے جو معمولی درد ہوتا ہے اُس کو ذہن میں رکھتے ہوئے کوئی آسانی سے جہنم میں آتشِ سوزاں کی وجہ سے درد کا اندازہ بخوبی کرسکتا ہے۔ جب کہ یہ سب کچھ وقوع پذیر ہوگا۔ انسان مندرجہ ذیل سزاؤں سے بھی دوچار ہوگا:

... ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾

پھر زنجیر میں جکڑ دیا جائے گا (سورہ الحاقۃ : ٣٢)

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ﴿٤﴾

ہم نے کافروں کیلئے زنجیریں اور طوق اور آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے۔ (سورہ الدھر : ٤)

وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾

اور ان کے مارنے کیلئے لوہے کے گُرز ہوں گے۔ (سورہ الحج : ٢١)

فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ

ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو دوزخ کی آگ سے داغ دیا جائے گا۔ (سورہ التوبہ : ٣٥)

يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾

اور ان کے سروں کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جائے گا۔

(سورہ الحج:١٩)

سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾

اور ان کے کرتے قطران کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر لپٹی ہوگی۔ (سورہ ابراہیم : ٥٠)

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾

اُن کو ٹھنڈا اور فرحت بخش مشروب نہیں ملے گا۔ اس دن صرف کھولتا ہوا پانی (سورہ ص : ۵۷)

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾

اور نہ کچھ کھانے کو (میسر ہوگا) ماسوائے خون اور پیپ کے۔ (سورہ الحاقۃ : ۳۶)

دوسری طرف جہنمیوں کی خوراک صرف خاردار پودے اور زقوم کا درخت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ کس طرح زقوم کفار کیلئے عذاب بن جائے گا:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

بے شک زقوم کا درخت بڑے مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا جو (کریہ صورت ہونے میں) تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا (اور) وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ۔ پھر اس کے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑ دو۔ چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

(سورہ الدخان : ۴۳۔۵۰)

قرآن پاک میں تذکرہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ میں خوراک لوگوں کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی۔ وہ پیپ زدہ پانی کو ایک گھونٹ میں پی جانے کی کوشش

کریں گے لیکن بے سود۔ وہ اسے نگلنے کی کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ پیپ جو کہ اس دنیا میں اپنے رنگ اور بو کی وجہ سے انتہائی کراہت والی چیز ہے وہ بھی دوزخ میں لوگوں کی خوراک میں شامل ہوگی۔ یہ بھی جہنمیوں کیلئے انتہائی تکلیف کا باعث ہوگی لیکن بھوک کے مارے ماسوائے اس کو کھانے کے ان کے پاس اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ تاہم اس کے کھانے سے اُن کی بھوک نہیں مٹے گی۔ وہ ہمیشہ بھوک کی تکلیف میں مبتلا رہیں گے:

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ ۝

اور اُن کو بجز ایک خاردار جھاڑ کے اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا جو نہ (تو کھانے والوں کو) فربہ کرے گا اور نہ (ان کی) بھوک کو دفع کرے گا۔ (سورہ الغاشیہ : ۶۔۷)

قرآن پاک میں دوزخ کے عذاب کے بارے میں اور تذکرہ بھی ہے:

لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ۝

جس میں وہ بے انتہا زمانوں (پڑے) رہیں گے۔ (سورہ النبا:۲۳)

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝

ان پر عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پائے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔ (سورہ آل عمران : ۸۸)

يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

اس بات کی خواہش کریں گے کہ دوزخ سے نکل آئیں اور وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو دائمی عذاب ہوگا۔ (سورہ المائدہ:۳۷)

یہ عذاب کفار کو نا قابل بیان اذیت دے گا۔ نجات کیلئے وہ متعدد عذر پیش کریں گے حتیٰ کہ وہ اس بات پر بھی راضی ہو جائیں گے کہ ان کی روحیں قبض کر لی جائیں۔ دوزخ میں لوگوں کے مابین ہونے والی گفتگو کو قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝

اور پکاریں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار (ہم کو موت دے کر) ہمارا کام ہی تمام کر دے۔ وہ (فرشتہ) جواب دے گا کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے۔ ہم نے سچا دین تمہارے پاس پہنچایا لیکن تم میں اکثر آدمی سچے دین سے نفرت رکھتے تھے۔ (سورہ الزخرف: ۷۷-۷۸)

مذہب (دین) سے انحراف اور تنبیہ پر دھیان نہ دینے میں ناکامی ان لوگوں کیلئے ضرر رساں ہوگی جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پکار کا جواب نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ عذاب میں رکھے گا۔

یہ ان سزاؤں میں سے چند ایک ہیں جو اُن لوگوں پر عائد کی جائیں گی جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے منکر تھے اور جنہوں نے دوزخ اور جنت کے وجود کے بارے میں تنبیہ کو نظر انداز کیا۔ مزید برآں ایک اور اذیت بھی ہے جو کہ ہمیشہ کیلئے کفار کا مقدر ہوگی۔ یہ وہ احساس پشیمانی ہے جس کو کوئی لحظہ بھر کیلئے بھی نہ بھول پائے گا۔ یہ احساس پشیمانی اس حقیقت کی اذیت سے اور بڑھ جائے گا کہ کسی کو ہمیشہ دوزخ جو کہ ایسی ہولناک جگہ ہے جو کسی نے آج تک نہ دیکھی ہو میں ہمیشہ رہنا پڑے گا۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا ہے ہر لمحے کفار اذیت سے دوچار ہوں گے۔ وہ اس بات کو یاد کریں گے کہ اگر انہوں نے صراط مستقیم اپنایا ہوتا تو ان میں سے کسی اذیت کا انہیں سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اس پچھتاوے سے بچاؤ

کا اب ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔

پشیمانی جو کہ کفار ہمیشہ کیلئے محسوس کریں گے

سزا کی شدت کا مشاہدہ کر لینے کے بعد دنیا میں رہتے ہوئے اللہ پر ایمان نہ رکھنے کی پشیمانی کفار پر وارد ہو جائے گی۔ تاہم یہ پشیمانی صورت حال کو تبدیل نہیں کرے گی۔ دنیا میں ان کو کئی موقع فراہم کیے گئے لیکن وہ ان سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہے۔ جب ایک مرتبہ انہیں اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے تو وہ ہر ایک سے اور ہر چیز پر غم وافسوس کریں گے جس سے اُن کی توجہ اللہ تعالیٰ اور آخرت سے ہٹ گئی اور اس نے انہیں دنیاوی معاملات میں مشغول کر دیا۔

قرآن پاک میں پشیمانی جو کہ کفار محسوس کرتے ہیں شدت سے پُر ہے جیسا کہ ان آیات میں بیان کیا گیا ہے:

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٦٨﴾

جس روز ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے۔ یوں کہتے ہوں گے اے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تھا۔ سو انہوں نے ہم کو (سیدھے) راستے سے گمراہ کیا تھا۔ اے ہمارے رب ان کو دوہری سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت کیجئے۔ (سورہ الاحزاب:۶۶۔۶۸)

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ

الْقَرِيْنُ ﴿٣٨﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾

یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا تو (اس شیطان سے) کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان میں (دنیا میں) مشرق ومغرب کے برابر فاصلہ ہوتا کہ (تُو تو) بُرا ساتھی تھا اور اُن سے کہا جائے گا کہ جبکہ تم (دنیا میں) کفر کر چکے تھے تو آج یہ بات تمہارے کام نہ آئے گی کہ تم (اور شیاطین) سب عذاب میں شریک ہو۔ (سورہ الزخرف : ۳۸۔۳۹)

جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں بیان کیا گیا ہے انہیں امید ہے کہ وہ ان لوگوں پر الزام دھر کر اپنے آپ کو بچالیں گے جنھوں نے انہیں صراط مستقیم سے گمراہ کیا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خیر وشر کا احساس عطا کیا ہے تا کہ صراطِ مستقیم تک اس کی راہنمائی ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مرضی بھی مرحمت فرمائی ہے تا کہ وہ اپنے مناسب فیصلوں پر عملدرآمد کر سکے۔ اس اعتبار سے انسان کو خیر اور شر کے علم کے ساتھ ساتھ دو متبادل راستے بھی مہیا کیے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی ایک کا انتخاب مکمل طور پر اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آیا کوئی اپنے دل کی گہرائیوں میں ایمان یا اس سے انکار رکھتا ہے۔ لہذا وہ جو لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ جو ان کی حمایت کرتے ہیں کو بجا طور پر سزا دی جائے گی۔ اُس دن کوئی بھی دوسرے کے گناہوں کی ذمہ داری برداشت نہیں کرے گا۔

جبکہ یہ لوگ ایک دوسرے کو گناہوں کے ارتکاب کی ترغیب دیتے تھے تو شاید یہ بات اُن کے دلوں میں بارہا آئی ہوگی کہ انہیں آخرت میں ان کا حساب دینا ہوگا۔ تاہم انہوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی جیسا کہ یہ ایک غیر اہم معاملہ ہو۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ

سے سرتابی میں ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی یہ کہتے ہوئے کی: ''تمہارے کیے ہوئے ہرکام کی میں ذمہ داری اٹھالوں گا''۔ دوسری طرف شیطان نے ان سے اشتعال انگیز وعدے کیے اوران کو بہکا کر بُری راہ پر چلا دیا۔لیکن اللہ تعالیٰ اس آیت میں ۔۔۔۔''اور وہ تن تنہا ہمارے پاس آئے گا''ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ یہ وعدے کچھ مددگار نہ ہوں گے۔

اُس دن کفار صاف طور پر دیکھ لیں گے کہ وہ بالکل تنہا ہیں۔وہ خود اس اہم حقیقت کو سمجھ لیں گے کہ بجز اللہ انسان کا نہ تو کوئی دوست ہے اور نا ہی نگہبان۔دوزخ میں ان کے مشیر اور ہر وہ شخص جس کو دنیا میں وہ اپنا دوست سمجھتے تھے ان کو بالکل تنہا چھوڑ جائیں گے۔اسی طرح شیطان، جسے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر کے اپنا نگہبان بنالیا تھا ان کیلئے بے وفا ثابت ہوگا اور اس طریقے سے ان سے مخاطب ہوگا:

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

اور جب (قیامت میں) تمام مقدمات فیصل ہوچکیں گے تو شیطان جواب میں کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچے وعدے کیے تھے اور میں نے بھی کچھ وعدے کیے تھے سو میں نے وہ وعدے تم سے خلاف کیے تھے اور میرا تم پر اور تو کچھ زور چلتا نہ تھا بجز اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تھا سو تم نے (باختیار خود) میرا کہنا مان لیا تو تم مجھ پر (ساری) ملامت مت کرو اور (زیادہ) ملامت اپنے آپ کو کرو۔نہ میں تمہارا مددگار ہوسکتا ہوں اور نہ تم میرے مددگار (ہوسکتے) ہو۔میں

خود تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں کہ تم اس سے قبل (دنیا میں) مجھ کو خدا کا شریک قرار دیتے تھے۔ یقیناً ظالموں کیلئے دردناک عذاب مقرر ہے۔ (سورہ ابراہیم:۲۲)

ہر اُس شخص کی بے وفائی جسے وہ اپنا دوست گردانتے تھے کفار کیلئے پشیمانی کا ایک اور ذریعہ ہوگی۔ پھر کیا وہ بلاشبہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ماسوائے اللہ کے کوئی دوسرا ایسا نہیں جو اُن کو پناہ دے سکے۔ تاہم یہ دیکھ کر کہ یہ ادراک ان کیلئے کوئی سکون مہیا نہیں کرے گا ان کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوگا۔ اُس دن وہ ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔ اسی دوران وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے:

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾

وہ کفار دوزخ میں گفتگو کرتے ہوئے (ان معبودین سے) کہیں گے کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے جب کہ تم کو (عبادت میں) رب العالمین کے برابر کرتے تھے اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں نے (جو کہ بانی ضلالت تھے) گمراہ کیا سو (اب) نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے (کہ چھڑا لے) اور نہ کوئی مخلص دوست ہے (کہ خالی دلسوزی ہی کرے) سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو (دنیا میں) پھر واپس جانا ملتا کہ ہم مسلمان ہو جاتے۔ (سورہ الشعرآء : ۹۶_۱۰۲)

جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں بیان کیا گیا ہے کفار شدید پشیمانی کی حالت میں یہ خواہش کرتے ہیں کہ وہ دنیا میں واپس جائیں تا کہ نیک اعمال کی طرف متوجہ ہوں جو کہ

آخرت میں ان کیلئے توشۂ لطف وکرم بنیں۔ تاہم یہ خواہش ناقابلِ قبول ہوگی۔ آج انہیں احساس ہوا کہ ہر وہ چیز جیسے مال ومتاع، حسن، معاشی معیار وغیرہ جس کے پیچھے وہ ساری عمر دنیا میں بھاگتے رہے آخرت میں بے کار ثابت ہوئی۔ نیچے چند ایک ایسے متاسف بیانات قرآن پاک سے درج کئے گئے ہیں:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ۬ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ﴿۲۶﴾ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ﴿۲۷﴾ مَاۤ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ ﴿۳۵﴾

اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ (نہایت حسرت) سے کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت (اولیٰ) ہی خاتمہ کر چکتی۔ افسوس میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گزرا۔ (ایسے شخص کیلئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس شخص کو پکڑلو اور اس کے طوق پہناؤ۔ پھر دوزخ میں اس کو داخل کرو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو۔ یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا اور خود تو کسی کو کیا دیتا اوروں کو (بھی) غریب کو کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔ (اس لئے مستحق عذاب ہوا) سو آج اس شخص کا کوئی دوست نہیں ہے۔ (سورہ الحآقۃ: ۲۵۔۳۵)

وَجِایْٓءَ یَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ

الذِّكْرٰى ﴿﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿﴾

۔۔۔ اور اس روز جہنم کو لایا جائے گا۔ اس روز انسان کو سمجھ آئے گی اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا۔ کہے گا کاش میں اس زندگی (اخروی) کیلئے کوئی عمل (نیک) آگے بھیج لیتا۔ (سورہ الفجر : ۲۳۔۲۴)

مزید برآں جنت کے مکینوں کی خوشی اور شادمانی دیکھ کر کفار کی پشیمانی اور بڑھ جائے گی۔ وہ اپنی اور جنتی لوگوں کی زندگیوں کے درمیان واضح اور نمایاں فرق کو دیکھ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ جنت اور جہنم کے مکینوں کے درمیان فرق کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

قرآن پاک میں جہنم کے مکینوں کی صورت کشی اس طرح کی گئی ہے:

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ

(اور) ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) جھکی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھائی ہو گی۔ (سورہ القلم : ۴۳)

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ﴿﴾

بہت سے چہرے اس روز بدرونق ہوں گے۔ (سورہ القیمۃ : ۲۴)

دوسری طرف جنت کے مکینوں کے چہرے مہرے کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿﴾

بہت سے چہرے اس روز (ایمان کی وجہ سے) روشن (اور مسرت سے) خنداں شاداں ہوں گے۔ (سورہ عبس : ۳۸۔۳۹)

کفار کو کھانے کیلئے ماسوائے کھولتے ہوئے پانی، پیپ، کڑوے خاردار جھاڑ اور زقوم (ایک خاردار پودا جس کا بہت کڑوا ذائقہ ہوتا ہے) کے درخت کے اور کچھ نہیں ملے گا۔ دوسری طرف مومنین کو دودھ کی نہروں، شہد، مزیدار مشروبات جو کہ پیالوں میں پیش

کیئے جائیں گے، تمام قسم کے پھلوں سے نوازا جائے گا اور ہر وہ چیز پیش کی جائے گی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ ایک آیت کریمہ میں جنت کے مکینوں کی خوراک کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ۬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِى النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہیں ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیز معلوم ہوگی اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا اور ان کیلئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی۔ کیا ایسے لوگ ان جیسے ہوسکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی ان کو پینے کو دیا جائے گا سو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ (سورہ محمد : ۱۵)

یقیناً مومنین کو بخشی گئی ان عنایات اور کفار کو ملنے والی خوراک جو کہ کسی طرح بھی بھوک کو نہیں مٹا سکتی اور جو کہ عذاب کا ایک دائمی ذریعہ بن جاتی ہے کے درمیان موازانہ نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں عرصہ دراز تک نارِ جہنم کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کی سوختہ جلد دوبارہ بحال کردی جائے گی اور وہ درد میں کچھ کمی اور ٹھنڈک کیلئے فریاد کریں گے۔ وہ چھاؤں میں

آرام کرتے ہوئے جنتی لوگوں کو عطا کردہ عنایات کیلئے تڑپیں گے اور اپنے لئے ان میں سے چند ایک کیلئے التجا کریں گے۔ قرآن پاک میں ان کی اس صورت حال کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَنَادَىٰٓ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا۟ عَلَيْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ ۚ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٥٠﴾

اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں کیلئے بندش کر رکھی ہے۔ (سورہ الاعراف: ۵۰)

کفار کی چیخ و پکار کا کبھی کوئی جواب نہیں دیا جائے گا:

إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظَّٰلِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِن يَسْتَغِيثُوا۟ يُغَاثُوا۟ بِمَآءٍ كَٱلْمُهْلِ يَشْوِى ٱلْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ ٱلشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٢٩﴾

بے شک ہم نے ایسے ظالموں کیلئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ اس آگ کی قناتیں اس کو گھیرے ہوں گی اور اگر (پیاس سے) فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا مونہوں کو بھون ڈالے گا۔ کیا ہی بُرا پانی ہوگا اور دوزخ بھی کیا ہی بُری جگہ ہوگی۔ (سورہ الکہف : ۲۹)

اسی طرح اللہ تعالیٰ بہشت کے رہنے والوں کو عمدہ ریشم اور اعلیٰ کمخواب کی سبز

پوشاکیں اور سونے اور چاندی کے بنے ہوئے کنگن پیش کرے گا جبکہ دوزخ میں رہنے والوں کیلئے قطران کا لباس اور آگ کا طوق ہوگا۔ مومنین عمدہ رہائش گاہوں اور اعلیٰ خوابگاہوں میں رہیں گے جس میں وہ بُنے ہوئے بیش قیمت صوفوں، نفیس نمدوں اور صوفوں جن کو اعلیٰ کمخواب کا استر لگا ہوگا پر لیٹے ہوئے ہوں گے۔ دوسری طرف کفار کا ٹھکانا دوزخ ہوگا جو کہ اوپر سے تہہ دار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ مومنین جس چیز کی بھی خواہش کریں گے وہ انہیں مل جائے گی۔ جنتی لوگوں کو بہشت میں خوش وخرم اور پُرامن زندگی سے نوازا جائے گا:

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٢٢﴾
وہ جس چیز کو چاہیں گے ان کے رب کے پاس سے ان کو ملے گی۔

(سورہ الشوریٰ : ۲۲)

فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١١﴾
سو اللہ تعالیٰ ان کو (اس اطاعت اور اخلاص کی برکت سے) اُس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا۔

(سورہ الدھر : ۱۱)

اگر کفار دنیا میں ایمانداری، اخلاص اور دیانت داری کا طرز عمل اختیار کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کرتے تو آج انہیں دوزخ میں عذاب کا سامنا نہ ہوتا۔ چنانچہ کفار زیادہ پچھتاوا محسوس کریں گے جب وہ اہل بہشت کے بارے میں سوچیں گے۔ اللہ تعالیٰ دوزخ میں اس عذاب کو اور احساسِ ندامت کو ''مصیبت'' کے طور پر بیان فرماتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ اس عذاب سے بچنے کی ہر کوشش ان کو ایک اور عذاب میں مبتلا کر

دے گی:

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾

وہ لوگ جب (دوزخ میں) گھٹے گھٹے (گھبرا جائیں گے اور) اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں دھکیل دیئے جائیں گے اور (ان کو) کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب (ہمیشہ کیلئے) چکھتے رہو۔

(سورہ الحج : ۲۲)

یہ اس لئے ہے کیونکہ دوزخ ایک ایسی جگہ ہے جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں احساسِ ندامت کسی انسان کیلئے سودمند نہ ہوگا۔ مزید برآں دوزخ میں پچھتاوے کے تصور کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ اُسی لمحے جبکہ کفار مرتے ہیں فرشتے ان کو بتادیں گے کہ وہ ہمیشہ کیلئے دوبارہ کسی اچھائی کو نہیں پائیں گے:

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس روز مجرموں (یعنی کافروں) کیلئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور کہیں گے کہ پناہ ہے، پناہ ہے۔ (سورہ الفرقان : ۲۲)

اس وجہ سے کفار اپنی ذاتی موت کو ہی صرف راہ نجات سمجھیں گے۔ وہ اپنی موت کیلئے فریاد کریں گے لیکن بے سود۔ یہ اس لئے کیونکہ انہیں زندگی میں اتنی مہلت دی گئی جو کہ ان کو متنبہ کرنے اور ہدایت پانے کیلئے کافی تھی لیکن انہوں نے دیدہ دانستہ انکار کی حمایت کی اور حق سے سرتابی کی۔ بدلے میں ان سے یہ کہا جائے گا:

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾

۔۔۔آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔

(سورہ الفرقان : ۱۴)

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

چلے جاؤ اس کے اندر پھر خواہ تم صبر کرو یا نا صبر کرو۔ تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں۔ جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی بدلہ تم کو دیا جائے گا۔

(سورہ الطّور : ۱۶)

سورہ الاعراف کی چالیسویں آیت میں اللہ تعالیٰ کفار کے دوزخ چھوڑنے اور بہشت میں داخلے کے عدم امکان کو یہ کہتے ہوئے بیان فرماتا ہے: ''وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جائے'' اللہ تعالیٰ آگاہ کرتا ہے کہ کفار کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا اور ان کو نظر انداز کر دیا جائے گا کیونکہ وہ اس دنیا میں صراط مستقیم سے بھٹک گئے اور فیصلہ کے دن کو نظر انداز کر دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جواب یا مدد نہیں پائیں گے:

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

ارشاد ہوگا کہ ایسا ہی تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے پھر تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جائے گا۔

(سورہ طٰہٰ : ۱۲۶)

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور (ان سے) کہا جائے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا تم

نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور (آج) تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔ (سورہ الجاثیۃ : ۳۴)

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو ولہب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگانی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ سو ہم بھی آج کے روز ان کا نام نہ لیں گے جیسا انہوں نے اس دن کا نام تک نہ لیا اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ (سورہ الاعراف : ۵۱)

وہ نارِ جہنم سے بچاؤ کیلئے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر التجا کریں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کو اس طریقے سے جواب دے گا:

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم) سے (اب) نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ (ایسا) کریں تو ہم بے شک پورے قصوروار ہیں۔ ارشاد ہوگا کہ اسی (جہنم) میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔ (سورہ المؤمنون : ۱۰۷۔۱۰۸)

کفار دائمی سزا پائیں گے۔ یہ سزا عذاب کی صورت میں ہمیشہ رہے گی اور کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی رحمت عطا نہیں کرے گا اور نا ہی اُن کی حفاظت کرے گا اور نا ہی ان کے گناہوں اور غلطیوں کو معاف فرمائے گا۔ اگر وہ اپنی زندگی میں اللہ کی پناہ میں آجاتے تو وہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا پاتے۔ لیکن جب وہ

ایک مرتبہ دوزخ میں داخل ہو جاتے ہیں تو اُن کے دلوں میں آنے والے یہ حقائق ان کیلئے قطعی طور پر کچھ مددگار ثابت نہ ہوں گے۔

بہر حال یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر ایک کو بعض حقائق پر ابھی سے غور وفکر کرنا چاہیئے: یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیلئے سراپا رحمت ہے اور چاہیئے یہ کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست اور نگہبان بنائیں۔ کیونکہ اگر ایک مرتبہ دوزخ کے دروازے اندر سے بند ہو گئے تو وہ دوبارہ نہیں کھلیں گے اور اُن کو مزید مہلت اور مواقع مُیسر نہ آئیں گے جیسا کہ اس دنیا میں انہیں فراہم کیئے گئے۔ قرآن پاک راہ نجات کو اس طرح بیان کرتا ہے:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

لیکن جو لوگ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور اللہ تعالیٰ پر وثوق رکھیں اور اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لئے کیا کریں تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور مومنین کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں گے (اور اے منافقو) اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم سپاس گزاری کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑے قدر کرنے والے خوب جاننے والے ہیں۔ (سورہ النساء : ۱۴۶۔۱۴۷)

آخرت میں احساس ندامت سے بچاؤ کس طرح ممکن ہے
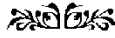
مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

(اور اے منافقو) اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم سپاس گزاری کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والا خوب جاننے والا ہے (سورہ النساء : ۱۴۷)

انسان کئی ایک خامیوں اور کمزوریوں کے ساتھ جنم لیتا ہے۔ ہم اپنی زندگیوں کے دوران بہت سی چیزیں بھول جاتے ہیں اور بے شمار غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تاہم توبہ جو کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر ایک خاص احسانِ عظیم ہے، کے ذریعے اس دنیا میں یہ ممکن ہوا ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کی اصلاح کر لیں، بلاشبہ دنیا محض اس مقصد کے لئے بنائی گئی: ہماری تربیت کا سامان پیدا کیا گیا، ہمیں آزمائش میں ڈالا گیا اور اس دنیا میں ہمیں ہماری خطاؤں سے پاک کر دیا گیا۔ عین ممکن ہے کہ ہمیں اپنی خطاؤں اور اپنی طرز زندگی پر شدید پچھتاوا ہو۔ تاہم یہ ہمیشہ ممکن ہے کہ ہم اس پشیمانی کیلئے تیار رہیں۔ اس پچھتاوے سے گزرنے کے بعد ہم اللہ تعالیٰ سے توبہ کے طلبگار ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی بخشش کی امید کر سکتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ یہ خوش خبری دیتا ہے کہ وہ کسی بھی گناہ کو معاف کر دے گا بشرطیکہ کوئی صدقِ دل اور خلوص نیت سے توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کے حال

اور ہمارے ہر بھید کو بخوبی جانتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آیا ہم اس کے وفادار بندے ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے بندوں کے ساتھ اپنی قربت کو اس طرح بیان فرماتا ہے

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿٢٥﴾

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے اندر ہے۔ اگر تم صالح العمل بنو گے تو بے شک وہ رجوع کرنے والے کو بخشنے والا ہے۔

(سورہ الاسراء :۲۵)

تاہم یہاں ایک اور اہم حقیقت منکشف ہوتی ہے یعنی موت کے بعد یہ ممکن نہیں ہے کہ اس دنیا میں سرزد ہونے والے گناہوں اور غلطیوں کا ازالہ ہو سکے۔ اس لئے ہمیں کوئی لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ہر گزرنے والا لمحہ ہمیں موت کے قریب تر لے جا رہا ہے۔ مزید برآں ہم کبھی بھی یہ پیش بینی نہیں کر سکتے کہ کب ہمیں موت کا سامنا ہو۔ بے شک موت کا ایک دن معین ہے مگر اس کا وقت اور دن کبھی بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ یقیناً ہم سب کو ایک دن مرنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنے ذہن میں یہ بات رکھنی چاہیئے کہ اس کی موت جلد بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ اُسے آخرت میں کفِ افسوس نہ ملنا پڑے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی دینوی زندگی پر از سر نو غور کرے۔

اگر ابھی اسی وقت آپ کو موت کے فرشتوں کا سامنا ہو تو کیا آپ اس قابل ہوں گے کہ ان تمام سالوں کا حساب دے پائیں جو آپ نے اس دنیا میں گزارے؟ آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اب تک کیا نیک اعمال سرانجام دئے؟ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری میں بہت زیادہ محتاط رہے؟

ممکن ہے کہ کسی شخص کے پاس ان سوالات کا مثبت جواب نہ ہو۔ لیکن اگر وہ اپنے کیئے پر پچھتاتا ہے اور پورے خلوص اور صدقِ دل کے ساتھ قطعی طور پر یہ عہد کرتا ہے کہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے زندہ رہنا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی بخشش کی امید کرسکتا ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ جو کہ الغفار (معاف کرنے والا، وہ جو رحیم کل ہے)' الحلیم (درگزر کرنے والا' وہ جو بخشنے والا رحمدل ہے) اور التواب (توبہ قبول کرنے والا) ہے کی پناہ مانگنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور ان لوگوں کو انعامات سے نوازے گا جو عزم بالجزم کے ساتھ انتہائی ثابت قدمی سے اپنے ایمان پر قائم رہے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ وہ یقیناً اپنے اُن بندوں کو بخش دے گا جو ایمان والے ہیں اور جو جہاں تک ہوسکتا ہے اپنے نیک اعمال میں اضافہ کرتے رہتے ہیں:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾

جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا' اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔ اور ہم صبر کرنے والوں کو ان کے بہترین کاموں کا اجر ضرور دیں گے۔ جس کسی نے' وہ مرد ہو یا عورت' اچھا عمل کیا اور وہ مومن بھی ہوا' اسے ہم پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے' اور انہیں ان کے بہترین کاموں کا اجر ضرور دیں گے۔ (سورہ النحل : ۹۶۔۹۷)

کبھی نہ بھولئے کہ کسی وقت بھی ہم میں سے کوئی بھی اچانک موت کی گرفت میں آسکتا ہے اور اس لمحے اگرچہ ہم پورے طور پر پچھتا بھی رہے ہوں پھر بھی دنیوی زندگی میں ہم سے سرزد ہونے والے گناہوں کی اصلاح کا موقع ہمیں نہیں ملے گا۔ اس وجہ سے ہمیں

اللہ تعالیٰ سے توبہ کا خواستگار ہونے میں اور اس کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنے میں ذرا بھی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ بننے کیلئے صرف یہی ایک راستہ ہے۔ ایسا بندہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور مہر و محبت سے نوازتا ہے۔ پھر جنت میں داخل ہونے کا بھی صرف یہی ایک راستہ ہے۔ جنت وہ دائمی مسکن ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے وفادار ماننے والوں کیلئے تیار کیا ہے۔

ڈارون کے نظریۂ ارتقا کی شکست و ہزیمت

کائنات کا ذرہ ذرہ ایک اعلیٰ درجے اور عمدہ صفات کی حامل تخلیق کی نشاندہی کرتا ہے۔اس کے برعکس فلسفۂ مادیت جو کہ کائنات میں اس تخلیق کی حقیقت سے انکار کی سعی کرتا ہے ماسوائے ایک گمراہ کن مغالطے کے اور کچھ نہیں ہے۔

اگر ایک مرتبہ فلسفۂ مادیت کا باطل ہونا ثابت کر دیا جائے تو اس فلسفے پر مبنی تمام دوسرے نظریات بے بنیاد قرار پائیں گے۔ان میں سے سب سے زیادہ قابل ذکر ''ڈارون ازم'' ہے جسے ''نظریۂ ارتقا'' کہا جاتا ہے۔اس نظریے کے پیروکاروں کا دعویٰ ہے کہ زندگی نے محض بعض اتفاقات کے نتیجے میں غیر جاندار مادے سے جنم لیا ہے۔اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو نظریۂ ارتقا کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔امریکہ کا ممتاز ماہر فلکی طبیعیات (آسٹروفزسٹ) ہیوراس (Hugh Ross) اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> دھریت، ڈارون ازم اور فی الواقع تمام ''ازم'' جو اٹھارہویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک کے فلسفیانہ افکار میں سے ہیں اس مفروضے پر استوار کیے گئے ہیں جو کہ ایک غلط مفروضہ ہے کہ کائنات لامحدود ہے۔اس انوکھی صورت حال نے ہمیں ایک سبب یا مسبب ۔۔۔کائنات کے آمنے سامنے۔۔۔اس کے عقب میں یا ماوریٰ لا کھڑا کیا ہے۔[1]

1۔ یہ اقتباس فاضل مصنف کی کتاب بعنوان The Fingerprint of God کے صفحہ نمبر ے میں سے لیا گیا ہے۔

اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنی تدبیر سے نہ صرف کائنات کو بلکہ اس کے اندر موجود چھوٹی سی چھوٹی جزئیات کو بھی اس مجموعی منصوبے کے مطابق خود ایجاد کیا ہے۔ اس لئے نظریہ ارتقاء جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ زندہ مخلوق خدا کی پیدا کردہ نہیں بلکہ محض اتفاقات کا نتیجہ ہے، درست نہیں ہے۔

جب ہم اس نظریئے پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اس پر قطعاً کوئی حیرت نہیں ہوتی کیونکہ سائنسی تحقیقات نے کھلم کھلا اس کو ردّ کر دیا ہے۔ زندگی کے خدّ وخال انتہائی پیچیدہ اور حیران کن ہیں۔ مثال کے طور پر آپ پہلے بے جان چیزوں کو دیکھئے، ہم جب ان کی چھان بین کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایٹمی ذرات کس قدر نازک توازن کے ساتھ ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ پھر جب ہم جانداروں کی طرف آتے ہیں تو اس سے بھی بڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان ایٹموں کو کس اعلیٰ ترین نقشے کے تحت ایک دوسرے سے جوڑا گیا ہے اور وہ کتنی غیر معمولی میکانیت اور ساختیں ہیں جن کو لحمیات، انزائمز اور خلیات کی شکل میں ڈھالا گیا ہے۔

بیسیوی صدی کے اواخر میں منظر عام پر آنے والے زندگی کے اس غیر معمولی اصول نے ڈارون ازم کو بالکل باطل قرار دے دیا ہے۔

میں نے ڈارون ازم پر اپنی دیگر تصانیف میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ تاہم اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ مفید رہے گا کہ یہاں اس کی مختصر تلخیص پیش کر دی جائے۔

ڈارون ازم کی اُصولی موت

نظریۂ ارتقاء کی شروعات اگرچہ قدیم یونان سے ہوئی لیکن اس نظریہ کو وسعت پذیری انیسویں صدی میں ملی۔ اسے دنیائے سائنس کا ایک اہم موضوع بنانے میں چارلس

ڈارون کی تصنیف بعنوان ''اصل الانواع'' (The Origin of Species) نے بڑا اہم کردار ادا کیا جو ۱۸۵۹ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں ڈارون نے اس حقیقت سے انکار کیا کہ روئے زمین پر پائی جانے والی زندہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے الگ الگ پیدا کیا تھا۔ اس کے برعکس اس نے دعویٰ کیا کہ اس سب زندہ مخلوق کا صرف ایک مشترک جدامجد تھا جس کی نسل میں بتدریج چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں کے ذریعے تفاوت کا رنگ آتا گیا۔

ڈارون کا نظریہ کسی ٹھوس سائنسی تحقیق پر مبنی نہ تھا بلکہ جیسا کہ اس نے خود تسلیم کیا ہے یہ محض ایک مفروضے پر مبنی تھا۔ مزید برآں ڈارون نے اپنی کتاب کے طویل باب بعنوان ''نظریے میں پیچیدگیاں'' میں خود اعتراف کیا ہے کہ یہ نظریہ بہت سے تنقیدی سوالات کے پیش نظر ناکام ہو کر رہ گیا ہے۔

ڈارون کی کتاب اصل الانواع کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

''ایک ہی نوع کے مختلف افراد میں تھوڑا بہت اختلاف ہوتا ہے۔ یہ اختلافات اگرچہ فرداً فرداً محض خفیف سے ہوتے ہیں، مگر پھر بھی حقیقی ہوتے ہیں اور انہیں افراد کے بقاء میں پوری پوری مداخلت حاصل ہوتی ہے۔ بعض افراد ہلکے پھلکے ہوتے ہیں اور انہیں دشمن سے بھاگ جانے کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ بعض دوسرے افراد سردی سے بچنے کا زیادہ سامان رکھتے ہیں اور غیر معمولی سردی میں زندہ رہنے کے زیادہ مواقع انہیں حاصل ہوتے ہیں۔ ان مشاق افراد کی نسل وراثت میں ان وسائل بقاء کا تحفظ پاتی ہے اور اس طرح اسے تنازع للبقاء میں کامیابی کے ساتھ دوسرے افراد سے مقابلہ کرنے کا موقع فراہم ہو جاتا ہے۔ ہر پشت میں وہ افراد جو بقاء کی کم تر قابلیت رکھتے ہیں زیادہ تیزی سے مر جاتے ہیں اور ان کی نسل کم سے کم تر ہوتی جاتی ہے۔ اور بخلاف اس کے جوان کے مقابلے میں صالح تر افراد ہیں وہ زیادہ دیر تک زندہ رہتے ہیں اور زیادہ کثیر نسل چھوڑ جاتے ہیں۔ ہر پشت میں افراد کی ایک محدود تعداد افزائش نسل سے بچ جاتی ہے اور جو افراد بچ جاتے ہیں، ان کے

ذریعے وہ مخصوص امتیازی خوبیاں جاری رہتی ہیں جن کی وجہ سے انہیں تنازع للبقاء میں کامیابی کا موقع میسر آتا ہے۔"

ڈارون نے سائنسی دریافتوں سے بہت سی امیدیں وابستہ کیے رکھیں کہ شاید وہ "نظریے میں پیچیدگیاں" حل کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہوں۔ تاہم اس کی توقعات کے برعکس نئی سائنسی دریافتوں نے ان پیچیدگیوں کے حجم میں اور اضافہ کر دیا۔ سائنس کی پیش رفت کے مقابلے میں ڈارون ازم کی شکست وہزیمت کا تین بنیادی موضوعات کے تحت جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

۱۔ یہ نظریہ اس سوال کی کوئی وضاحت نہیں کرتا کہ روئے زمین پر زندگی کی ابتدا کیسے ہوئی؟

۲۔ ایسی کوئی سائنسی تحقیق سامنے نہیں آئی جو اس نظریے میں تجویز کردہ ارتقائی ساختوں کے اندر قوت ارتقاء کی موجودگی ثابت کرتی ہو۔

۳ طبقات زمین میں سے کھدائی کے دوران برآمد ہونے والے مختلف جاندار چیزوں کے ڈھانچے "متحجرات" (Fossils) اس نظریے کے باطل اور بے بنیاد ہونے کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔

ذیل میں ہم اس معاملے کے ان تین بنیادی موضوعات کا اجمالی جائزہ پیش کریں گے:

پہلا ناقابل تسخیر قدم: زندگی کا آغاز

نظریۂ ارتقا کا پہلا مفروضہ یہ ہے کہ تمام زندہ انواع محض ایک واحد زندہ خلیے (Single Living Cell) سے وجود میں آئیں جو تقریباً تین ارب ۸۰ کروڑ برس پہلے قدیم روئے زمین پر ظہور پذیر ہوا۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو

اس واحد خلیے نے لاکھوں کروڑوں پیچیدہ ومتنوع زندہ اصناف کو کیسے خلق کیا؟ اور اگر ایسا اِرتقاء واقعی عمل میں آیا ہے تو پھر اس کے آثار ان متحجرات کے ریکارڈ میں سے کیوں نہیں ملتے؟ یہ نظریہ ایسے بہت سے سوالوں کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ تاہم مبینہ ارتقائی عمل کے پہلے قدم کا اول الاولین قدم کب اٹھا؟ یہ دریافت طلب ہے۔ یعنی پہلا خلیہ کب وجود میں آیا تھا؟

چونکہ نظریۂ اِرتقاء تخلیق انسانی کا انکار کرتا ہے اور کسی قسم کی مافوق الفطرت مداخلت کو تسلیم نہیں کرتا' یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اول الاولین خلیہ قوانین قدرت کے تحت محض اتفاقاً وجود میں آگیا۔ اس کی تخلیق کے پیچھے کوئی منصوبہ، کوئی حکمت عملی یا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ یہ نظریہ کہتا ہے کہ بے جان مادے نے اتفاقات کے نتیجے ہی میں اولین جاندار خلیے کو تخلیق کردیا ہوگا۔ تاہم یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو علم الحیات کے مستحکم اور ناقابل تردید قواعد سے واضح طور پر متصادم ہے۔

زندگی بروید از زندگی

ڈارون نے اپنی کتاب میں ابتدائے آفرینش کا کہیں بھی حوالہ نہیں دیا۔ اس کے زمانے میں سائنس کی فرسودہ سوجھ بوجھ اس مفروضے پر استوار تھی کہ زندہ مخلوق کی وضع قطع بڑی سادہ سی تھی۔ قرون وسطیٰ کے اس نظریے کو وسیع پیمانے پر پذیرائی ملی کہ بے جان مادے اکٹھے ہو کر زندہ اجسام کو وجود میں لے آتے ہیں۔ اس نظریے کو ''وقوع بلاعلّت'' (Spontaneous Generation) کا نظریہ کہا جاتا ہے جو ڈارون کے فکر کی جان ہے مشاہدہ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا اور اس امر کے اثبات پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکی کہ بے جان مادے سے زندگی خود بخود اُبھر آتی ہے لیکن خدا سے بیزار مادہ پرست اس کو بے دلیل مانتے چلے جاتے ہیں' مثال کے طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ کیڑے مکوڑے بچی کھچی

خوراک میں سے معرض وجود میں آتے ہیں اور چوہے گندم میں سے پیدا ہوتے ہیں۔اس نظریے کو ثابت کرنے کیلئے بڑے دلچسپ قسم کے تجربات کئے جاتے تھے۔ان میں سے ایک یہ تھا کہ گندے کپڑے کے کسی ٹکڑے پہ تھوڑی سی گندم رکھ دی جاتی اور خیال کیا جاتا تھا کہ بس ابھی ابھی اس سے چوہے پیدا ہونے لگیں گے۔

اسی طرح گوشت میں کیڑے پڑ جانے کو''وقوع بلاعلّت'' کی علامت تصور کیا جاتا تھا۔تاہم انہیں بہت دیر بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ کیڑے مکوڑے ازخود گوشت میں نمودار نہیں ہوتے بلکہ ان کیڑوں کو مکھیاں لاروؤں کی صورت میں لاتی ہیں جو کہ کھلی آنکھ سے واضح طور پر دکھائی نہیں دیتے۔

ڈارون جس زمانے میں اپنی کتاب''اصل الانواع'' لکھ رہا تھا اس دور میں بھی یہ عقیدہ کہ بیکٹیریا غیر ذی روح مادے میں سے برآمد ہوسکتا ہے سائنس کی دنیا میں ہمہ گیر قبولیت کا حامل تھا۔

تاہم ڈارون کی کتاب طبع ہونے کے پانچ سال بعد لوئیس پاسچر (Louis Pasteur) کی دریافت نے اس عقیدے کو غلط ثابت کر دیا جس پر کہ نظریہ ارتقاء کی بنیاد رکھی گئی تھی. اپنے طویل اور صبر آزما تجربات کے بعد پاسچر جس نتیجے پر پہنچا اس کا نچوڑ اس نے ایک جملے میں یوں بیان کیا:

''بے جان مادے میں سے زندگی کے وجود میں آنے کا دعویٰ تاریخ میں ہمیشہ کیلئے دفن ہو چکا ہے''۔

نظریہ ارتقاء کے پیروکاروں نے پاسچر کی تحقیقات کے خلاف بڑے عرصے تک مزاحمت جاری رکھی تاہم جیسے ہی سائنس کی ترقی نے زندہ مخلوق کے خلیے کی پیچیدہ ساخت کے عُقدہ کو حل کیا تھا' زندگی کے اتفاقی ظہور کا تصور مزید سخت پیچیدگیوں کا شکار ہو گیا۔

بیسویں صدی کی سعئی ناتمام

بیسیوی صدی میں نظریۂ ارتقاء کا پہلا علمبردار جس نے اس موضوع پر غور وفکر شروع کیا وہ نامور روسی ماہر علم الحیات الیگزنڈر اوپرین (Alexander Oparin) تھا۔ اس نے 1930 کے عشرے میں کئی مقالے لکھے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زندہ مخلوق کا خلیہ اتفاقاً وجود پکڑ سکتا ہے۔ تاہم اس تمام تحقیقات کا مقدر ناکامی تھا اور بالآخر اوپرین یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا:

> بدقسمتی سے خلئے کی ابتدا بدستور ایک متنازعہ مسئلہ ہے جو کہ حقیقت میں نظریۂ ارتقاء کا ایک تاریک ترین پہلو ہے۔[1]

اوپرین کے متبعین نے زندگی کے آغاز کے مسئلہ کو حل کرنے کیلئے تجربات کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان میں سے بہترین تجربات امریکی ماہر کیمیا سٹینلے ملر (Stanley Miller) نے 1953 میں کئے۔ اس نے مختلف گیسوں کو جو زمانہ قدیم سے زمینی فضا میں (بقول اس کے) پائی جاتی تھیں اپنے تجرباتی نظام میں' آپس میں ملایا' پھر اس مرکب میں انرجی شامل کر کے متعدد نامیاتی مالیکیولز (امائنو ایسیڈز) کا مرکب تیار کیا جو کہ لحمیاتی ساخت میں پائے جاتے ہیں۔

بمشکل چند ہی سال گزرے تھے کہ اس کا یہ تجربہ' جو کہ اس وقت ارتقاءً کے نام پر ایک اہم قدم کے طور پر پیش کیا گیا تھا اس لئے ناقابل قبول تھا کیونکہ تجربے میں جو زمینی فضا استعمال کی گئی تھی وہ زمین کے حقیقی حالات سے بہت مختلف تھی۔

1- دی اوریجن آف لائف (The Origin of life) مطبوعہ نیویارک ڈوور پبلی کیشنز ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۹۶۔

چنانچہ طویل خاموشی کے بعد ملر (Miller) نے برملا یہ اعتراف کیا کہ اس نے جو ماحولیاتی وسیلہ (Atmosphere Medium) استعمال کیا تھا وہ غیر حقیقی تھا۔[1]

بیسویں صدی کے دوران علمبرداران نظریۂ ارتقا کی طرف سے ''آغاز حیات'' کی وضاحت کے سلسلے میں کی جانے والی تمام کوششیں اکارت گئیں۔[2] سان ڈائیگو سکرپس انسٹی ٹیوٹ کے ماہر ارضی کیمیا جیفرے بادا (Jeffrey Bada) نے اپنے ایک مضمون میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے جو ۱۹۹۸ میں ارتھ میگزین (Earth Magazine) میں شائع ہوا وہ اس طرح رقمطراز ہے:

> ''آج جب بیسویں صدی ہم سے رخصت ہو رہی ہے' ہم اب بھی اسی لاینحل مسئلے سے دوچار ہیں جو کہ بیسویں صدی میں داخل ہوتے وقت ہمیں درپیش تھا۔ یعنی روئے زمین پر زندگی کا ظہور کیسے ہوا۔''[3]

زندگی کی پیچیدہ ساخت

آفرنیش حیات کے بارے میں نظریہ ارتقاً کا اتنی بڑی پیچیدگی میں کیوں خاتمہ ہوا' اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انتہائی سادہ دکھائی دینے والے زندہ اجسام بھی ناقابل یقین حد تک پیچیدہ ساختوں کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک زندہ مخلوق کا خلیہ انسان کی تیار کردہ تمام فنی مصنوعات کی بہ نسبت زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے۔ آج بھی دنیا کے انتہائی ترقی یافتہ تجربہ گاہوں میں بے جان ٹھوس مادوں کو باہم ملا کر بھی ایک زندہ خلیہ پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

1- ملاحظہ ہو ''قدیم فضائی ارتقاء اور زندگی کے بارے میں نئے شواہد'' مجلّہ امریکن میٹرولاجیکل سوسائٹی جلد ۶۳ مطبوعہ نومبر ۱۹۸۲ صفحات ۱۳۲۸، ۱۳۳۰۔

2- دیکھیے سٹینلے ملر کی تصنیف ''مالیکیولر ایوولیشن آف لائف مطبوعہ ۱۹۸۶ صفحہ ۷۔

3- Earth Magazine اشاعت فروری، صفحہ ۴۰۔

ایک خلیہ کیلئے درکار اشیا اور حالات کی مقدار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اتفاقات کے حوالے سے ان کی کوئی وضاحت نہیں کی جاسکتی۔ لحمیات جو خلئے کیلئے تعمیراتی قالب کی حیثیت رکھتی ہے' اس کے اتفاقاً مطلوبہ شکل اختیار کر لینے کے امکانات ۱۰۹۵۰ میں سے ''ا'' کے تناسب سے موجود ہوسکتے ہیں۔ یہ اعداد ۵۰۰ امائنو ایسڈز سے بننے والے ایک اوسطی لحمیاتی خلئے کے ہیں۔ ریاضیاتی زبان میں یہ امکان ۱/ ۱۰^۵۰ سے بھی چھوٹا ہے۔ لہذا اسے عملاً ناممکن کہا جاسکتا ہے۔

ڈی۔این۔اے (DNA) کا ایک مالیکیول جو کہ ایک خلئے کے مغز (Nucleus) میں ہوتا ہے۔ اور جس کے اندر نسلی خصوصیات کے بارے میں معلومات جمع ہوتی ہیں یہ بھی خارج از قیاس ذخیرۂ معلومات (Databank) ہوتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر ایک ڈی این اے کے اندر جمع شدہ معلومات کو ضابطہ تحریر میں لایا جاتا تو ایک غیر معمولی ذخیرۂ کتب معرض وجود میں آجاتا جو کہ انسائیکلوپیڈیا کی ۹۰۰ جلدوں پر مشتمل ہوتا اور ان میں سے ہر جلد ۵۰۰ صفحات کی ہوتی۔

اس نکتے پر ایک دلچسپ گومگو کا معاملہ سامنے آتا ہے۔ ڈی این اے کا نقش ثانی خاص قسم کی لحمیات (انزائمز) سے ہی تیار کیا جاسکتا ہے۔ تاہم ان انزائمز کی آمیزش، ڈی این اے کے اندر جمع شدہ معلومات کی مدد سے ہی کی جاسکتی ہے۔ چونکہ دونوں کا ایک دوسرے پر انحصار ہوتا ہے اس لئے انہیں آمیزش کیلئے ایک ساتھ زندہ رہنا پڑتا ہے ورنہ نہیں۔ اس طرح یہ منظرنامہ کہ زندگی نے از خود جنم لیا، اپنے آپ غائب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سان ڈائیگو یونیورسٹی کیلی فورنیا کے ممتاز ماہر نظریۂ ارتقاء پروفیسر لیزلی آرجل (Prof. Leslie Orgel) نے سائنٹفک امریکن میگزین کے شمارہ ستمبر ۱۹۹۶ میں اس حقیقت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا:

یہ امر انتہائی بعید از قیاس ہے کہ لحمیات اور نیوکلئیک ایسڈز جو

ساختیاتی اعتبار سے بے حد پیچیدہ ہیں دونوں ایک ہی وقت پر اور ایک ہی جگہ محض اتفاقاً پیدا ہو گئے۔ اور یہ بھی بے حد ناممکن نظر آتا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کے بغیر رہ سکتا ہے۔ چنانچہ انسان اس نتیجے پر فوراً پہنچ جاتا ہے کہ زندگی کیمیائی ذرائع سے وجود میں ہرگز نہ آئی ہوگی۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر زندگی کا قدرتی اسباب سے وجود میں آنا ناممکن ہے تو پھر یہ امر تسلیم کرنا پڑے گا کہ زندگی نے مافوق الفطرت طریقے سے جنم لیا ہے، یہ حقیقت واضع طور پر اس نظریہ ارتقاء کو باطل قرار دیتی ہے جس کا واحد مقصد نظریہ تخلیق سے انکار کرنا ہے۔

ارتقاء کی فرضی میکانیات

دوسرا اہم نکتہ جو ڈاروں کے نظریۂ کی نفی کرتا ہے یہ ہے کہ یہ ارتقائی میکانیات کیلئے دو تصورات پیش کرتا ہے اور وہ دونوں ہی درحقیقت اپنے اندر کوئی ارتقائی قوت نہیں رکھتے۔ ڈاروں نے اپنے ارتقائی مفروضے کی پوری عمارت کی بنیاد "انتخاب طبیعی" (Natural Selection) پر استوار کی ہے۔ اس میکانکی کو وہ جو اہمیت دیتا ہے اس کا برملا اظہار اس کی کتاب بعنوان "اصل الانواع بذریعہ انتخاب طبیعی" (The Origin of Species, By Means of Natural Selection) سے ہوتا ہے۔ انتخاب طبیعی سے مراد یہ ہے کہ ایسی جاندار چیزیں جو دوسروں سے مضبوط تر ہیں اور فطری حالات کے مطابق ڈھلنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں، زندگی کی دوڑ میں صرف وہی کامیاب رہیں گی۔ مثال کے طور پر ہرنوں کے جس گلے پر وحشی درندے حملہ کر دیں تو ان میں سے صرف

ا۔ لیزلی، ای، آرجل، دی آریجن آف لائف آن ارتھ (The Origin of life on Earth)
سائنٹفک امریکن میگزین، جلد ۲۷۱، شمارہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۴ صفحہ ۷۸)

وہی زندہ بچ سکیں گے جو تیز تر بھاگ سکیں گے۔ لہذا زندہ رہنے کیلئے ان کا گلہ تیز تر اور مضبوط تر ہو جانے کے عمل کے تحت یہ ہرن خود کو کسی دوسری زندہ نوع میں نہیں ڈھال سکتے یعنی وہ گھوڑے نہیں بن سکتے۔

اس لئے ''طبیعی انتخاب کے عمل'' کے اندر کوئی ارتقائی قوت موجود نہیں ہوتی، اس حقیقت سے ڈارون خود بھی آگاہ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی کتاب ''اصل الانواع'' میں یوں کہا:

> ''طبیعی انتخاب اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا جب تک کہ ساز گار مسلسل تبدیلیوں کا موقع پیش نہیں آتا''۔

لامارک (Lamarck) کا نظریہ ارتقاء

یہ ''سازگار مسلسل تبدیلیاں'' کیسے وقوع پذیر ہو سکتی تھیں۔ ڈارون نے اس سوال کا جواب اپنے دور کے اس سائنسی فہم کے مطابق دینے کی کوشش کی جو ابھی اپنے ابتدائی دور میں سے گزر رہا تھا۔ جبکہ فرانسیسی ماہر حیاتیات لامارک (Lamarck) جو ڈارون سے پہلے گزرا ہے نے کہا کہ تمام ذی روح جانور اپنی زندگی کے دوران جتنے خصوصی خدّ وخال حاصل کرتے ہیں، اگلی نسل کو منتقل کر دیتے ہیں اور اس طرح سے یہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتے ہوئے اور جمع ہوتے ہوئے نئی انواع کو تشکیل دیتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں لامارک نے ''زرافے'' کی مثال دی جو اس کے خیال کے مطابق ''چکارے'' (آہو کی ایک قسم) کی ترقی یافتہ نوع ہے۔ چونکہ وہ اونچے اونچے درختوں کے پتے کھانے کی خاطر اپنی گردن کو لمبی سے لمبی کرنے کی کوشش کرتا رہا، اس لئے اس کی ہر نسل کی گردن کھینچ کھینچ کر لمبی ہوتی چلی گئی۔ بالآخر چکارائی نوع زرافہ میں تبدیل ہو گیا۔

ڈارون نے بھی ایسی ہی مثالیں دی ہیں۔ اس نے اپنی تصنیف ''اصل الانواع'' میں کہا کہ بعض ریچھ خوراک کی تلاش میں دریاؤں میں اترنے لگے جس سے ان کی

خصوصیات تبدیل ہوتی گئیں حتیٰ کہ چند صدیوں میں وہ وہیل (Whale) بن گئے۔

تاہم مینڈل (Mendel) کے دریافت کردہ قوانین خاندانی خصوصیات جس کی توثیق بیسویں صدی میں فروغ پانے والے علم جنینیات نے بھی کر دی ہے' نے اکتسابی خصوصی خدّ وخال کی بعد میں آنے والی نسلوں میں منتقلی کی فرضی داستان کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی ہیں۔ اس طرح ''انتخاب طبیعی'' بطور ارتقائی میکانیات کا معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔

ڈارونیت نو اور نوعی تغیرات

مسئلے کا حل تلاش کرنے کیلئے ڈارون کے پیروکاروں نے ۱۹۳۰ کے عشرہ کے اواخر میں ''جدید نظریہ ترکیبی'' پیش کر دیا جسے عرف عام میں ''ڈارونیت نو'' کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے اس نظریے میں ''نوعی تغیرات'' (Mutations) کا اضافہ کر دیا جو جانداروں کے جینز (Genes) میں خارجی عوامل مثلاً تابکاری یا مثنیائی غلطیاں وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہونے والے بگاڑ (Distortions) تھے۔ اس کو فطری نوعی تغیرات کے علاوہ سازگار مسلسل تبدیلیوں کا سبب قرار دیا گیا۔

آج کی دنیا میں ارتقاء کی صورت میں جو ''ڈارونیت نو'' پہچانی جاتی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ روئے زمین پر پائی جانے والی لاکھوں ذی روح مخلوقات کا وجود اس عمل کا نتیجہ ہے جس کے تحت ان خلقی اجسام کے پیچیدہ ترین اعضاء جیسے کان، آنکھیں، پھیپھڑے اور پر (Wings) وغیرہ نوعی تغیر میں سے گزرے ہیں یعنی ان میں جنینیاتی انتشار پیدا ہوا۔ تاہم یہ ایک سیدھی سادی سائنسی حقیقت ہے جس نے اس نظریے کو بالکل کھوکھلا ثابت کر دیا: یعنی نوعی تغیرات ذی روح مخلوق کی ترقی کا باعث نہیں بنتے بلکہ اس کے بالکل برعکس انہیں ہمیشہ نقصان سے دوچار کرتے ہیں۔ اس کا سبب انتہائی سادہ اور قابل فہم ہے: ڈی این اے ایک انتہائی پیچیدہ ساخت کا حامل ہے اور اس میں رونما ہونے والے بے ترتیب

اثرات اسے محض نقصان ہی پہنچا سکتے ہیں۔ امریکی ماہر جنینیات بی۔ جی۔ رنگا ناتھن (B.G. Ranganathan) نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

> ''نوعی تغیرات چھوٹے، بے ترتیب اور ضرر رساں ہوتے ہیں۔ وہ کبھی کبھار رونما ہوتے ہیں۔ زیادہ تر امکان یہ ہوتا ہے کہ یہ غیر مؤثر ہوں گے۔ نوعی تغیرات کی یہ چاروں خصوصیات اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ وہ ارتقائی ترقی کی جانب راہنمائی نہیں کرسکتیں۔ اعلیٰ خصوصیات کے حامل اجسام میں بے سروپا تبدیلی یا تو غیر مؤثر ہوتی ہے یا ضرر رساں ہوتی ہے۔ گھڑی میں بے تُکی تبدیلی گھڑی کی کارگزاری کو بہتر نہیں بنا سکتی۔ امکان یہ ہے کہ یہ اسے نقصان پہنچائے گی یا پھر اس کو بے کار بنا دے گی۔ زلزلہ کسی شہر کو سدھارتا نہیں بلکہ تباہی لاتا ہے۔''

یہ امر باعث تعجب ہے کہ نوعی تغیر کی کوئی مثال جو مفید ہو یعنی جس نے ضابطہ علم الخلق کو آگے بڑھایا ہو، اب تک مشاہدے میں نہیں آئی۔ تمام نوعی تغیرات نقصان دہ ثابت ہوئے ہیں۔ یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ جس نوعی تغیر کو ''ارتقائی میکانیات'' کے طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ دراصل ایک جنییاتی حادثہ ہوتا ہے جو ذی روح مخلوق کو نقصان پہنچاتا ہے اور انہیں معذور بنا کر چھوڑ دیتا ہے (انسانوں پر نوعی تغیر کا عام اثر کینسر کی صورت میں ہوتا ہے)۔ بلاشبہ تباہ کن میکانیات کو ارتقائی میکانیات نہیں کہا جاسکتا۔ دوسری طرف طبعی انتخاب جس کو ڈارون بھی تسلیم کرتا ہے ''ازخود کچھ بھی نہیں کرسکتا''۔ اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ کارخانۂ فطرت میں ''ارتقائی میکانیات'' نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ چونکہ ارتقائی میکانیات کا کوئی وجود نہیں اس لیے ارتقاء کے نام کا کوئی تصوراتی عمل بھی رونما

نہیں ہوا ہے۔

متحجرات کا ریکارڈ: درمیانی کڑیوں کا فقدان

نظریۂ ارتقاء کا کوئی واضح اور ٹھوس ثبوت متحجرات (Fossil) ریکارڈ سے نہیں ملتا۔ نظریۂ ارتقاء کے مطابق ہر ذی روح نوع اپنے پیشرو نسل میں سے وجود میں آتی ہے۔ پہلے سے موجود انواع وقت پر کسی اور سانچے میں ڈھل جاتی ہیں اور تمام انواع اس طریقے سے معرض وجود میں آتی ہیں۔ اس نظریے کے مطابق اس طرح لاکھوں سالوں میں ان کی ہئیت میں بتدریج تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

اگر یہ صورت حال ہوتی تو متعدد متوسط انواع موجود ہوتیں اور اس طویل دورِ تغیر میں زندہ رہتیں۔

مثال کے طور پر ماضی میں کوئی نیم مچھلی / نیم چھپکلی ہوا کرتی ہوگی جس میں کچھ خصوصیات مچھلی کی اور کچھ چھپکلی کی تھیں۔ اس کی اگلی نسل میں کچھ اپنی اصلی تھیں اور کچھ اس نے اپنی پیشرو نسل سے پائیں۔ یا کچھ ''رینگنے والے پرندے'' (Reptile-Birds) موجود ہوتے تھے جنہوں نے کچھ خصوصیات پرندوں سے لیں اور انہیں رینگنے والے جانور کی خصوصیات میں شامل کر لیا، چونکہ یہ اپنے عبوری دور میں ہوئیں اس لئے انہیں معذور، ناقص اور لنگڑی لولی زندہ ہستی کی صورت میں پایا جانا چاہئے تھا۔ اس نظریۂ کے پیروکاران فرضی مخلوقات کا حوالہ دیتے ہیں جو ماضی میں اپنی ''عبوری شکل'' میں موجود رہی ہیں۔

اگر ایسے جانور واقعی موجود تھے تو آج وہ انواع واقسام اور تعداد کے لحاظ سے لاکھوں بلکہ کروڑوں میں پائے جاتے۔ اس سے بھی اہم بات، اس نظریے کی رو سے یہ ہوتی کہ ان عجیب الخلقت جانوروں کی باقیات کا ریکارڈ متحجرات میں سے برآمد ہونا چاہیئے تھا۔ ڈارون نے اپنی کتاب ''اصل الانواع'' میں خود واضح طور پر کہا ہے:

''اگر میرا نظریہ درست ہوتا تو بے شمار درمیانی انواع، جن میں دوسری انواع کی بھی کچھ خصوصیات موجود ہوتیں، لازماً پائی جانی چاہئے تھیں۔۔۔ نتیجتاً ان کی سابق موجودات متحجرات میں سے ضرور برآمد ہوتیں''

ڈارون کی امیدوں پر پانی پھر گیا

تاہم نظریہ ارتقاء کے پیروکار انیسویں صدی کے وسط سے دنیا بھر میں متحجرات کو پانے کی سرتوڑ کوشش کررہے ہیں مگر ابھی تک وہ ''عبوری خصوصیات'' کی حامل انواع دریافت نہیں کرسکے۔ بے شمار کھدائیوں سے برآمد ہونے والے متحجرات سے ان کے نظریے کا درست ہونا تو کیا ثابت ہوتا بلکہ ان کی توقعات کے برعکس شواہد ملے۔ یعنی روئے زمین پر زندگی اچانک اور بھرپور شکل میں نمودار ہوئی۔

برطانیہ کے ممتاز ماہر قدیم حیاتیات ڈیرک وی۔ ایجر (Derek V. Ager) نظریہ ارتقاء کا حامی ہونے کے باوجود اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اصل نکتہ یہ ہے کہ اگر ہم متحجرات ریکارڈ کی مفصل چھان بین کریں، خواہ صنفی طور پر یا نوعی لحاظ سے، تو یہ امر منکشف ہوتا ہے اور۔۔۔ بار بار ثابت ہوتا ہے کہ۔۔۔ تدریجی ارتقاء واقع نہیں ہوا بلکہ ایک گروپ کے مفقود ہوجانے کے بعد اچانک دوسرے گروپ کا ظہور رہا''[1]

اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ متحجرات کا ریکارڈ اس حقیقت کا شاہد ہے کہ تمام ذی روح انواع، اپنی حتمی اور مکمل شکل میں اچانک نمودار ہوئیں، ان کے پیشرو واعلیٰ کی شکل اوران کی موجودہ شکل کے درمیان ملی جلی خصوصیات اور درمیانی اشکال والی کوئی انواع نہیں

1- ''متحجرات کی نوعیت'' مصنفہ ڈیرک وی ایجر۔۔۔ پروسیڈنگز آف دی برٹش جیالوجیکل ایسوسی ایشن جلد ۸۷۔۔۔ ۱۹۷۶ء صفحہ نمبر ۱۳۳

پائی گئیں۔ یہ حقیقت نظریۂ ڈارون کے مفروضات کے بالکل برعکس ہے۔ جو اس امر کی ٹھوس شہادت ہے کہ ذی روح مخلوق تخلیق کے ذریعے وجود میں آئی۔ ان ذی روح انواع کی موجودگی کی واحد وضاحت یہ ہے کہ ان کا اپنی ''کامل شکل'' میں اوراچانک ظہور ہوا۔ اس حقیقت کو ممتاز ماہر ارتقاء وحیاتیات ڈگلس فوچوما (Douglas Futuyma) نے بھی تسلیم کیا ہے:

''نظریۂ تخلیق اور نظریۂ ارتقاء کے مابین جانداروں کے وجود کی ابتدا سے متعلق جتنی ممکنہ وضاحتیں ہوسکتی ہیں، وہ سب دم توڑ چکی ہیں۔ یہ جاندار یا تو روئے زمین پر اپنی حالت کاملہ میں نمودار ہوئے یا ایسا نہیں ہوا۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو وہ لازماً کسی عملِ صورت گری کے ذریعے پہلے سے موجود انواع میں سے بذریعہ ارتقاء پیدا ہوئے ہوں گے۔ اگر وہ مکمل طور پر اپنی تکمیل شدہ وضع میں نمودار ہوئے ہیں تو انہیں یقیناً کسی قادر مطلق کے علم نے تخلیق کیا ہے''

متحجرات اس امر کا بیّن ثبوت پیش کرتے ہیں کہ جاندار اپنی موجودہ مکمل طور پر ترقی یافتہ شکل اور کامل وضع میں روئے زمین پر تخلیق ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''آفرینش انواع'' ڈارون کے مفروضے کے بالکل برعکس بذریعہ ارتقاء نہیں بلکہ ''بذریعہ تخلیق'' ہوئی۔

انسانی ارتقاء کی اصل کہانی

نظریۂ ارتقاء کے پیروکار جس موضوع کو بالعموم زیر بحث لاتے ہیں وہ آفرینشِ انسان کا موضوع ہے۔ ڈارون کے پیروکاروں کا دعویٰ ہے کہ جدید دور کے انسانوں نے کسی بندر نما مخلوق سے نشو ونما پاکر موجودہ شکل پائی ہے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس مبینہ ارتقائی

عمل کے دوران جو کہ اغلب چالیس یا پچاس لاکھ سال پہلے شروع ہوا تھا جدید انسان اور اس کے پیشروؤں کے درمیان انسانوں کی چند عبوری شکلیں ہوا کرتی تھیں۔ اس کے مطابق کُلی طور پر ایک فرضی منظرنامہ گھڑ لیا گیا ہے جس کے چار بنیادی انواع مندرجہ ذیل ہیں:

1- آسٹرالوپتھیکس (Australopithecus) بندر نما اور اس سے ملتی جلتی مخلوق جن کی باقیات جنوبی اور مشرقی افریقہ میں دریافت ہوئیں۔

2- ہوموہیبلیس (Homo Hablis)

3- ہوموایریکٹس (Homo Erectus)

4- ہوموسیپئنز (Homo Sapiens)

نظریۂ ارتقاء کے پیروکار' انسان کے اولین بندر نما مورث اعلیٰ کو ''آسٹرالو پتھیکس'' کا نام دیتے ہیں جس کا مطلب ایسی بندر نما یا اس سے ملتی جلتی مخلوق ہے جن کی باقیات جنوبی اور مشرقی افریقہ میں دریافت ہوئیں۔ یہ زندہ مخلوق دراصل بندر کی ایک پرانی نوع کے علاوہ کچھ نہیں تھی جو کہ اب معدوم ہو چکی ہے۔ آسٹرالوپتھیکس پر انگلینڈ اور امریکہ کے دو نامور تشریح الابدان لارڈ سولی زکرمین (Lord Solly Zuckerman) اور پروفیسر چارلس آکسنارڈ (Prof. Charles Oxnard) نے بڑی طویل تحقیق کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ عام قسم کے بندر کی انواع تھیں جو کہ اب بالکل ناپید ہو چکی ہیں اور ان کی انسان کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں تھی۔

مبینہ انسانی ارتقاء کا اگلا مرحلہ ہومو (Homo) یعنی ''انسان'' ہے۔ نظریۂ ارتقاء کے پیروکاروں کا دعویٰ ہے کہ جاندار مخلوق کی ''ہومو' سیریز افریقی بندر آسٹرالوپتھیکس کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ ارتقاء کے دعویدار مختلف انسانی ڈھانچوں کو ایک خاص ترتیب سے جوڑ کر ایک فرضی سکیم پیش کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان مختلف زمروں کے درمیان ارتقائی تعلق پایا جاتا ہے۔ ارنسٹ مائر

(Ernst Mayr) جو بیسویں میں اس نظریے کا صف اوّل کا حمایتی تھا' نے خود اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ ''ہوموسپینز تک پہنچنے والی کڑی دراصل گُم ہوچکی ہے''

چاروں متذکرہ انواع کی کڑیوں کو جوڑنے کے بعد ان لوگوں نے تان اس دعوے پر توڑی کہ ان انواع میں سے ہر ایک نوع، دوسری نوع کی مورثِ اعلیٰ ہے۔ تاہم انسان پر تحقیق کرنے والے جدید ماہرین نے انکشاف کیا ہے کہ آسٹرالوپتھیکس، ہوموہیبلیس اور ہومواریکٹس، ایک ہی وقت میں دنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے تھے۔ ان میں کوئی تقدم وتاخر نہ تھا۔

مزید برآں ہومواریکٹس کے زمرہ میں سے انسانوں کی ایک خاص تعداد اس جدید دور میں بھی پائی گئی تھی۔ ہوموسیپنز نینڈرتھیلنیس اور ہوموسیپنز سیپینز (جدید انسان) اس خطے میں ایک ساتھ زندہ رہے۔

یہ صورت حال صاف طور پر اس دعوے کی تردید کرتی ہے کہ یہ زمرے ایک دوسرے کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک ماہر انسان قدیم سٹیفن جے گولڈ (Stephen Jay Gould) نے جو اگرچہ خود بھی نظریۂ ارتقاء کا حامی ہے اس نظریے کے اس تعطل کی یوں وضاحت کی ہے:

> اگر انسانوں کے یہ تینوں زمرے روئے زمین پر بیک وقت موجود پائے گئے تو معلوم نہیں کہ اس سلسلہ مدارج کا کیا بنے گا؟ علاوہ ازیں یہ بھی سامنے آیا کہ ان تینوں میں سے کسی ایک نے بھی دنیا میں اپنی زندگی کے دوران اپنے اندر ارتقائی رجحان کا مظاہرہ نہیں کیا۔

مختصر یہ کہ انسانی ارتقاء کا یہ منظرنامہ جسے ہم نے اپنی نصابی کتابوں اور دیگر ذرائع ابلاغ میں ''آدھے انسان اور آدھے بندر'' کے بے رنگ خاکے بنا بنا کر درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس کی حقیقت محض ایک فرضی داستان کے کچھ نہیں کیونکہ اس کی

کوئی سائنسی بنیاد نہیں ہے۔

لارڈ سولی زکرمین (Lord Solly Zuckerman) جو کہ برطانیہ کے انتہائی مشہور اور بے حد قابل احترام سائنسدانوں میں سے ایک ہے جس نے سال ہا سال اس موضوع پر تحقیقات کی بالخصوص اس نے پندرہ سال تک آسٹرالوپتھیکس متحجرات کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس نظریے کا حامی ہونے کے باوجود اس نے اپنی تحقیق کا ماحصل ان الفاظ میں بیان کیا کہ ''درحقیقت نسل انسانی کا کوئی ایسا شجرہ دستیاب نہیں ہے جو بندر نما انسانوں میں سے جدید انسانوں کی شاخ کو برآمد ہوتا دکھا سکتا۔

زکرمین نے ایک دلچسپ سائنسی طیف (Scientific Spectrum) بھی بنائی جو سائنسی حقائق سے لے کر غیر سائنسی رویوں تک کے مدارج کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس نے طیف کے ایک سرے پر سب سے اوپر غایت درجہ سائنسی علوم یعنی ٹھوس اعداد وشمار پر انحصار کرنے والی سائنسز جیسے طبیعات اور کیمیا وغیرہ کو رکھا، ان کے بعد علم الحیات کو درجہ دیا، اس کے نیچے معاشرتی علوم کو رکھا۔ جب کہ طیف کے آخری سرے پر انتہائی ''غیر سائنسی'' علوم کو رکھا جیسے اشراق اور چھٹی حس کو ظاہر کیا اور اس سے بھی آخر میں انسانی ارتقاء کا ''ذکر'' کیا جس کی وضاحت اس نے اس طرح کی ہے:

> پھر معروضی سچائیوں کے رجسٹر سے ہٹ کر فرضی حیاتیاتی سائنسوں کے شعبوں کی طرف آتے ہیں جو ظن وتخمین یا انسانی متحجرات کی تاریخ کی تعبیر وتشریح کے کھلے میدان میں، جہاں ہم جیسے ارتقاء کے پیروکاروں کیلئے سب کچھ ممکن ہے اور جہاں اس نظریے کا پرجوش معتقد چاہے تو بیک وقت کئی باہمی متناقص خیالات کا پھریرا اڑاتا رہے''۔[1]

۱۔ سولی زکرمین: ''گوشۂ عزلت کے عقب میں'' (Beyond Ivory Tower) نیویارک ٹاپلنگر پبلی کیشنز ۱۹۷۰ صفحہ ۱۹۔

انسان کے نظریۂ ارتقاء کی یہ کہانی ،زمین کی کھدائی سے برآمد ہونے والے متحجرات کی متعصّبانہ تعبیرات سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی ۔ان لوگوں نے اندھوں کی طرح بے سوچ سمجھے اس نظریۂ کی حمایت کی۔

آنکھ اور کان کی ٹیکنا لوجی

ایک اور موضوع جس کا جواب نظریۂ ارتقاء ابھی تک دینے سے قاصر ہے وہ آنکھوں اور کانوں کی قدرتِ مدرکہ (Perception) کے اعلیٰ ترین معیار کے بارے میں ہے۔

آنکھ کے موضوع پر اظہار خیال سے پہلے آیئے ہم مختصر طور پر اس سوال کا جواب دیں کہ ''ہم دیکھتے کیسے ہیں'' مخالف سمت میں پڑی ہوئی کسی چیز (Object) کی طرف سے آتی ہوئی روشنی کی شعاعیں جب آنکھ کے پردۂ بصارت (Retina) پر پڑتی ہے تو اس کے خلیئے برقی اشاروں میں تبدیل کر کے دماغ کے عقب میں واقع مرکزِ بصارت کی ایک چھوٹی سی جگہ پر مرتکز کر دیتے ہیں۔ یہاں یہ اشارات ایک سلسلۂ عمل کے وقوع پذیر ہونے کے بعد دماغ کے مرکز میں پہنچتے ہیں۔آیئے ہم اس فنی ہنرمندی کے پس منظر میں کچھ سوچ و بچار کریں۔

دماغ اس وقت روشنی سے الگ ہوتا ہے،یعنی دماغ کے اندر گھپ اندھیرا ہوتا ہے اور روشنی اس مقام تک نہیں پہنچتی جہاں دماغ واقع ہوتا ہے۔ یہ جگہ جس کو مرکز بصارت کہا جاتا ہے ایک ایسی سیاہ اندھیرے والی جگہ ہوتی ہے جہاں کبھی روشنی کا گزر نہ ہو۔ باالفاظ دیگر آپ جتنی بھی تاریک ترین جگہ کا تصور کر سکتے ہیں یہ اس سے کہیں زیادہ تاریک ہوتی ہے۔ تاہم آپ اسی تاریک ترین جگہ سے روشن ترین اور منور دنیا کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

آنکھ کے اندر تشکیل پانے والی ہو بہو تصویر (Image) اتنی صاف اور واضح ہوتی ہے کہ بیسویں صدی کی ٹیکنالوجی بھی ایسی صاف اور واضح تصویر بنانے سے قاصر

ہے۔ مثال کے طور پر آپ جس کتاب کو پڑھ رہے ہیں اور جن ہاتھوں سے آپ نے اسے پکڑ رکھا ہے۔ آپ ان پر نظر ڈالیں اور پھر اٹھائیں اور ارد گرد نظر ڈالیں، کیا آپ نے ایسی واضح اور صاف شبیہہ کسی اور جگہ دیکھی ہے؟ انتہائی ترقی یافتہ ٹیلی ویژن سکرین پر دنیا کا کوئی عظیم ترین ٹیلی ویژن پروڈیوسر آپ کیلئے اس سے زیادہ واضح تصویر نہیں بنا سکتا۔ یہ ایک سہ بعدی (Three-dimensional) رنگین اور انتہائی روشن تصویر ہوتی ہے۔ ایسی صاف ترین تصویر بنانے کیلئے ہزاروں انجینئر سو سال سے زائد عرصہ سے کوشاں ہیں۔ اس مقصد کے حصول کیلئے کئی فیکٹریاں اور بڑے بڑے ادارے قائم ہوئے، کافی تحقیق کی گئی، کئی منسوبے اور اسکیمیں بنائی گئیں لیکن مطلوبہ مقصد حاصل نہ ہوسکا۔ آپ دوبارہ ٹی وی سکرین پر اور اپنے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی کتاب کو دیکھیں تو آپ کو ان کی ندرت، صاف اور روشن ہونے میں بڑا فرق محسوس ہوگا۔ مزید برآں ٹی وی سکرین آپ کو دوبعدی (Two-dimensional) تصویر دکھاتی ہے جبکہ آپ کی آنکھیں سہ بعدی تصویر دیکھ رہی ہیں، یعنی اشیا کی لمبائی اور چوڑائی کے علاوہ ان کی گہرائی یعنی موٹائی بھی دیکھ رہی ہیں۔

ہزاروں انجینئر سالہا سال سے سہ بعدی ٹی وی بنانے اور آنکھ کی استعداد بصارت کی برابری کرنے کیلئے کوشش کرر ہے ہیں۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے سہ بعدی ٹیلی ویژن سسٹم بنالیا ہے لیکن وہ صرف مخصوص چشمے پہن کر ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ مزید برآں یہ صرف مصنوعی سہ بعد ہے جس میں پس منظر مزید دھندلا جاتا ہے اور پیش منظر قرطاسی گرد وپیش کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ تصویر کا آنکھ کی بصارت کے برابر واضح اور روشن بننا کبھی بھی ممکن نہیں ہوسکا۔ کیمرہ اور ٹیلی ویژن دونوں میں تصویر کا معیار کم ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

نظریہ ارتقاء کے پیروکاروں کا دعویٰ ہے کہ ایسی واضح اور روشن شبیہہ اتفاقاً ظہور میں آئی ہے۔ اب اگر آپ سے کوئی کہے کہ آپ کے کمرے میں رکھا ہوا ٹیلی ویژن

''اتفاق'' سے بن گیا ہے، یہ کہ اس کے اندر ایٹم اتفاقاً یکجا ہوئے اور اس ایجاد کے ذریعے انہوں نے اس پر تصویر مرتسم کر دی، اس پر آپ کیا سوچیں گے؟ ایٹم ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں جو ہزاروں افراد نہیں کر سکتے؟

اگر کوئی آلہ، جو آنکھ کی بہ نسبت انتہائی بھدی تصویر بناتا ہے، وہ بھی محض اتفاقاً نہیں بنتا تو پھر صاف ظاہر ہے کہ آنکھ اور اس کے ذریعے بننے والی صاف اور روشن ترین شبیہ بھی اتفاقاً ظہور میں نہیں آسکتی تھی۔ اسی صورت حال کا اطلاق کان پر بھی ہوتا ہے۔ کان کا بیرونی حصہ اردگرد کی آوازوں کو کان کے پردوں کے ذریع اکٹھا کر کے کان کے وسطی حصے کی طرف منتقل کرتا ہے جبکہ وسطی حصہ ان کی لہروں کو تیز تر کر کے انہیں برقی اشاروں میں تبدیل کرتا ہے اور پھر انہیں اندرونی کان میں پہنچا دیتا ہے۔ بصارت کی طرح سماعت کا عمل بھی دماغ کے مرکزی مرکز سماعت میں اپنے باقی مراحل طے کرتا ہے۔

آنکھ کی صورت حال، کان کی اندرونی صورت کی مانند ہے، یعنی دماغ، روشنی کی طرح ہی، آوازوں سے ''مامون'' (Insulated) ہوتا ہے، یعنی کسی آواز کو اپنے اندر داخل نہیں ہونے دیتا۔ باہر خواہ کتنا ہی شور وغل ہو، دماغ کے داخلی حصے میں مکمل سکوت ہوتا ہے۔ تاہم بلند ترین آوازیں اندر رسائی پا جاتی ہیں۔ آپ کے دماغ میں جو کہ آوازوں سے ''مامون'' ہوتا ہے آرکسٹرا کے مختلف آلات موسیقی کے سُروں کا میل اور ہم آہنگی اور پُر ہجوم جگہ کا بے ہنگم شور پہنچ جاتا ہے۔ تاہم اگر اس لمحے کسی مناسب آلے سے آپ کے دماغ کی سطح کو ناپا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہاں مکمل سکوت طاری ہے۔

جیسا کہ شبیہوں کا معاملہ ہے، سالہا سال محنت کر کے ایسی آواز پیدا کرنے اور اس کا اعادہ کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے جو اس اصل آواز کے عین مطابق ہو۔ ان مساعی کے نتیجے میں ساؤنڈ ریکارڈرز، اور ہائی فائیڈیلٹی سسٹم اور دیگر سسٹم جن کے ذریعے آواز کو معلوم کیا جا سکے، تو وضع کر لئے گئے لیکن ہزاروں انجینئر اور ماہرین اس تمام تر

ٹیکنالوجی کے باوجود اس معیار کی صاف اور واضح ترین آواز نہیں لا سکے جو آواز کان خود وصول کرتا ہے۔ آپ ذرا صنعت موسیقی سے وابستہ بڑی بڑی کمپنیوں کے اعلیٰ معیار کے ہائی فائی نظاموں کو دیکھیں، ان میں کچھ آواز ریکارڈنگ کے دوران زائل ہو جاتی ہے، یا جب آپ ہائی فائی سسٹم کو "آن" کرتے ہیں تو میوزک شروع ہونے سے پہلے آپ لازماً "سی سی" کی آواز سنتے ہیں۔ تاہم انسانی جسم کی ٹیکنالوجی سے پیدا ہونے والی آواز بے حد صاف اور واضح ہوتی ہے۔ انسانی کان میں پڑنے والی آواز میں "سی سی" بالکل شامل نہیں ہوتی اور اس کا معیار ہائی فائی کی بہ نسبت اعلیٰ ترین ہوتا ہے۔ تو یہ ہے ساخت، جو انسان کو تخلیق کے دوران ودیعت ہوئی ہے۔

اب تک انسان کوئی ایسا بصری یا سمعی آلہ تیار نہیں کر سکا جو آنکھ اور کان کی طرح حساسیت رکھتا ہو۔ تاہم جہاں تک دیکھنے اور سننے کی صلاحیتوں کا تعلق ہے، ان سے آگے، ان سے بھی کہیں بڑے حقائق موجود ہیں۔

دماغ کے اندر بصارت اور سماعت کو شعور کہاں سے آیا؟

دماغ کے اندر وہ کون سی چیز ہے جو اس دل لبھانے والی دنیا کو دیکھتی، آلات موسیقی کے سُروں کے تال میل اور ہم آہنگی کو سنتی اور پرندوں کی چہچہاہٹ کو سنتی اور گلاب کی مہک کو سونگھتی ہے۔ یہ ہیجان خیزیاں انسان کی آنکھوں، کانوں اور ناک کے راستے بطور برقی و کیمیاوی عصبی تحرکات ذہن تک سفر کرتے ہیں۔ آگے ذہن میں ان کی شبیہ کیسے بنتی ہے اس کی زیادہ تفصیل آپ علم الحیات، علم افعال اعضا اور بائیوکیمسٹری کی کتابوں میں پڑھ سکتے ہیں۔ تاہم اس موضوع پر آپ کو ان کتابوں سے ایک بے حد اہم حقیقت نہیں مل سکے گی اور وہ یہ ہے کہ ان برقی کیمیائی عصبی تحرکات کو بطور شبیہ، بطور آواز، بطور خوشبو اور بطور حسی انگیخت کون محسوس کرتا ہے؟ دماغ میں ایک شعور ہوتا ہے جو ان سب چیزوں کو آنکھ، کان اور ناک کا محتاج ہوئے بغیر بھی محسوس کر سکتا ہے۔ پھر اس شعور کا کس سے تعلق ہے؟ یہ شعور کس کی

ملکیت ہے؟ اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس شعور کا تعلق اعصاب، تہہ دار چربی اور عصابنیہ پر نہیں ہے جو کہ دماغ میں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈارون کے مادہ پرست پیروکار جو ہر چیز کو مادے پر مشتمل سمجھتے ہیں، ان سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔

یہ شعور، وہ جوہرِ روحانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا۔ اس جوہرِ روحانی کو شبیہات دیکھنے کیلئے نہ تو آنکھ کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ آوازیں سننے کیلئے کان کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ مزید برآں اسے سوچنے کیلئے دماغ کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔

جو کوئی بھی اس واضح سائنسی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر غور وفکر کرے، خشیت الہیہ کو اپنا شعار بنالے اور اسی کی پناہ کا طلبگار ہو جس نے پوری کائنات کو چند مکعب سنٹی میٹرز پر مشتمل ایک اندھیری جگہ میں سہ بعدی رنگین سایہ دار اور روشن صورت میں مقید کر رکھا ہے۔

مادہ پرستانہ عقیدہ

اب تک ہم نے جو مفروضات پیش کی ہیں ان سے ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ نظریۂ ارتقاء ایک ایسا کھوکھلا دعویٰ ہے جو سائنسی تحقیقات سے بلاشک وشبہ صریحاً متصادم ہے۔ اس کا ''آغازِ آفرنیش'' کے بارے میں دعویٰ سائنسی حقائق کے خلاف ہے۔ اس کی تجویز کردہ ارتقائی میکانیات میں کوئی ارتقائی قوت نہیں اور متحجر ات اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ درمیانی اشکال، جو اس نظریے کا جواز بن سکتی تھیں ان کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا۔ چنانچہ لازم ہے کہ نظریۂ ارتقاء کو ایک غیر سائنسی مفروضہ سمجھ کر مسترد کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے نظریات جیسے زمین کو کائنات کا مرکز سمجھنا وغیرہ سائنس کے ایجنڈے سے خارج کر دیئے گئے۔ تاہم نظریۂ ارتقاء کو سائنسی ایجنڈے میں شامل رکھنے پر مسلسل اصرار کیا جا رہا ہے اور بعض لوگ اس پر کی جانے والی تنقید کو ''سائنس پر حملہ'' گردانتے ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟

اس کا سبب یہ ہے کہ بعض حلقوں کے نزدیک نظریۂ ارتقاء ایک ناگزیر ادعائی اور کٹر عقیدہ ہے، یہ حلقے بڑی ہٹ دھرمی کے ساتھ آنکھیں بند کر کے اس مادہ پرستانہ فلسفے کو فطری عمل کیلئے واحد مادہ پرستانہ وضاحت سمجھتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ کبھی کبھار اس حقیقت کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں۔ جنییات کے نامور ماہر اور نظریۂ ارتقاء کے پرجوش داعی رچرڈ سی۔ لیوونٹن (Richard C.Lewontin) جس کا تعلق ہاورڈ یونیورسٹی سے تھا، برملا یہ اعتراف کرتا ہے کہ وہ پہلے مادہ پرست ہے اور بعد میں سائنسدان ہے۔ وہ کہتا ہے:

> "ہم عجائبات دنیا کی مادی توجیہہ کو مسلّمہ سائنسی اصولوں اور طریق کار کے تحت قبول کرنے پر مجبور نہیں ہوئے، بلکہ اس کے برعکس اپنے اس اصول کے تحت مجبور ہوئے ہیں کہ ہر تحقیق کیلئے مادی اسباب کو بنیاد بنایا جائے اور ایسے تصورات کا نظام قائم کیا جائے جو مادی توجیہات سامنے لائے، خواہ وہ وجدانی بصیرت کے منافی ہی کیوں نہ ہو، خواہ ناواقف اسرار ہونے کی وجہ سے اسے کتنا ہی پُر اسرار بنا دیا گیا ہو۔ مزید برآں مادیت ایک قطعی حقیقت ہے لہذا ہم الوہیت کے پاک قدم کو اپنے دروازے کی طرف بڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

یہ وہ قطعی اور ناقابل تردید بیانات ہیں جو اس درپردہ حقیقت کو بے نقاب کرتے ہیں کہ ڈارون ازم کسی ثبوت کے بغیر تسلیم کیا گیا ادعائی عقیدہ ہے جسے محض اس لئے زندہ رکھا گیا ہے کہ اس سے مادہ پرست فلسفے کو استقامت ملتی ہے۔ مادیت کے علمبرداروں کا یہ عقیدہ ہے کہ مادہ ہی مادہ ہے۔ اس لئے اُن کا دعویٰ یہ ہے کہ زندگی کو بے جان اور بے شعور مادے نے پیدا کیا ہے۔ وہ اس بات پر بضد ہیں کہ لاکھوں ذی روح انواع مثلاً پرندے، مچھلیاں،

زرافے، شیر، کیڑے مکوڑے، پھل پھول، وھیلز وغیرہ اور بنی نوع انسان مادے کے باہم عمل کے نتیجے میں وجود میں آئے، باالفاظ دیگر زندگی نے بے جان مادے پر برسنے والی بارش اور چمکتی ہوئی بجلیوں وغیرہ کے اثرات سے جنم لیا، یہ ایک ایسا ضابطہ عمل ہے جو عقل و خرد اور سائنس دونوں کے منافی ہے۔ تاہم ڈارون کے پیروکار محض اس لئے اس کا دفاع کررہے ہیں تاکہ وہ ''پائے ایزدی'' اپنے دروازے کے اندر داخل ہونے سے روک سکیں۔

جو شخص جاندار مخلوق کی پیدائش کو مادہ پرستانہ تعصب کی نظر سے دیکھتا ہو وہ صاف طور پر عیاں اس حقیقت تک پہنچ جائے گا کہ: تمام جاندار مخلوق کو اس خالق حقیقی نے پیدا کیا ہے جو قادر مطلق، دانائے کل، علیم کل اور عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ وہ خالق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو پوری کائنات کو عدم سے وجود میں لایا، اُسے انتہائی کامل صورت عطا کی اور تمام جاندار مخلوق کو اپنی حکمت سے خاص وضع میں ڈھالا۔

یہ کائنات بلاشبہ ایک علیم وخبیر و مدبّر اور قادر و عادل ہستی نے پیدا کی ہے جسے ہم خدا کہتے ہیں اور وہ بلا شرکتِ غیرے اس کائنات کا سارا انتظام خود چلا رہا ہے اور جب چاہے گا اس کو لپیٹ کر رکھ دے گا اور انسان کو عطا کردہ شعور و اختیار کے مطابق بازپرس کرے گا اور جزا و سزا دے گا۔

NOTES

1. Hugh Ross, *The Fingerprint of God*, p. 50
2. Sidney Fox, Klaus Dose, *Molecular Evolution and The Origin of Life*, New York: Marcel Dekker, 1977. p. 2
3. Alexander I. Oparin, *Origin of Life*, (1936) New York, Dover Publications, 1953 (Reprint), p.196
4. "New Evidence on Evolution of Early Atmosphere and Life", *Bulletin of the American Meteorological Society*, vol. 63, November 1982, p. 1328-1330.
5. Stanley Miller, *Molecular Evolution of Life: Current Status of the Prebiotic Synthesis of Small Molecules*, 1986, p. 7
6. Jeffrey Bada, *Earth*, February 1998, p. 40
7. Leslie E. Orgel, "The Origin of Life on Earth", *Scientific American*, Vol 271, October 1994, p. 78
8. Charles Darwin, *The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition*, Harvard University Press, 1964, p. 189
9. Charles Darwin, *The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition*, Harvard University Press, 1964, p. 184.
10. B. G. Ranganathan, *Origins?*, Pennsylvania: The Banner Of Truth Trust, 1988.
11. Charles Darwin, *The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition*, Harvard University Press, 1964, p. 179
12. Derek A. Ager, "The Nature of the Fossil Record", *Proceedings of the British Geological Association*, vol. 87, 1976, p. 133
13. Douglas J. Futuyma, *Science on Trial*, New York: Pantheon Books, 1983. p. 197
14. Solly Zuckerman, *Beyond The Ivory Tower*, New York: Toplinger Publications, 1970, ss. 75-94; Charles E. Oxnard, "The Place of Australopithecines in Human Evolution: Grounds for Doubt", *Nature*, Vol. 258, p. 389
15. J. Rennie, "Darwin's Current Bulldog: Ernst Mayr", *Scientific American*, December 1992
16. Alan Walker, *Science*, vol. 207, 1980, p. 1103; A. J. Kelso, Physical Antropology, 1st ed., New York: J. B. Lipincott Co., 1970, p. 221; M. D. Leakey, Olduvai Gorge, vol. 3, Cambridge: Cambridge University Press, 1971, p. 272
17. *Time*, November 1996
18. S. J. Gould, *Natural History*, vol. 85, 1976, p. 30
19. Solly Zuckerman, *Beyond The Ivory Tower*, New York: Toplinger Publications, 1970, p. 19
20. Richard Lewontin, "The Demon-Haunted World", *The New York Review of Books*, 9 January, 1997, p. 28

They said 'Glory be to You!
We have no knowledge except what
You have taught us. You are the All-Knowing,
the All-Wise.'
(Surat al-Baqara: 32)

وہ لوگ جو اللہ پر یقین نہیں رکھتے ان جملوں کا اعادہ کرتے ہوئے کف افسوس ملتے ہیں کہ کاش میں نے ایمان کیا ہوتا، یا کاش میں نے ایمان کہا ہوتا، وغیرہ وغیرہ۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں سب سے زیادہ پچھتاوا ہوگا۔ وہ لوگ جو اس دنیا میں دین سے عاری زندگی بسر کرتے ہیں ان کو اپنی زندگی میں ہر لمحہ پچھتانا پڑے گا۔ ان کو اس دنیا میں بارہا تنبیہ کی گئی اور صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی دعوت دی گئی۔ ان کے پاس غور وفکر اور سیدھا راستہ اپنانے کیلئے کافی وقت موجود تھا تاہم خبردار کرنے کے باوجود وہ آخرت کو یوں بھول گئے جیسا کہ موت ان کا مقدر نہیں۔ پھر آخرت میں ان کو کوئی موقع میسر نہ ہوگا کہ واپس دنیا میں دوبارہ آسکیں اور اپنی غلطیوں کا ازالہ کرسکیں

کچھ مصنف کے بارے میں

فاضل مصنف نے دینی موضوعات پر ۱۵۰ سے زائد کتب ہارون یحییٰ کے قلمی نام سے تصنیف کیں ہیں۔ ان موضوعات میں: کائنات میں اللہ کی نشانیاں، مسلمانوں سے متعلق سیاسی مسائل، اور فری میسن کی پس پردہ سازشوں کے بارے میں تحقیقاتی کتب شامل ہیں فاضل مصنف کی بیشتر کتب (بزبان انگریزی) جن میں "The Evolution Deceit" (فریب ارتقا) "Perished Nations" (تباہ حال اقوام) اور "For Men Of Understanding" (صائب الرائے انسانوں کیلئے) نمایاں ہیں نے بے مثال کامیابی حاصل کی ہے۔ آپ کی کئی ایک کتب کا جرمن، فرانسیسی، اطالوی، ہسپانوی، پرتگیزی، عربی، البانوی، پولش، روسی، سربی، انڈونیشی، ترکی، تاتاری، اور اردو زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور ان میں سے بعض مذکورہ ممالک میں چھپ چکی ہیں۔ فاضل مصنف ہارون یحییٰ کی تمام کتب کو بلا رنگ و نسل، عمر اور قوم تمام مسلمانوں میں زبردست پذیرائی ملی ہے جنہوں نے انہیں انتشار و اختلافات پیدا کرنے والے نظریات وخیالات سے نجات دلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے

Al-Attique Publishers Inc.
65-Treverton Dr., Toronto, Ontario M1K 3S5 Canada
Tel: (416) 615-1222 Fax: (416) 615-0375
Email: al-attique@al-attique.com
Website: www.al-attique.com
Lahore, Pakistan. Tel / Fax:92-42-7911678

ISBN : 1-894264-41-X
9781894264419